

چونقراندر لباس شاهی آمد  
به تدبیر عیسیٰ الهی آمد  
حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد  
الف ثانی سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ

کے جدِ طریقت  
حضرت سلطان الاولیاء

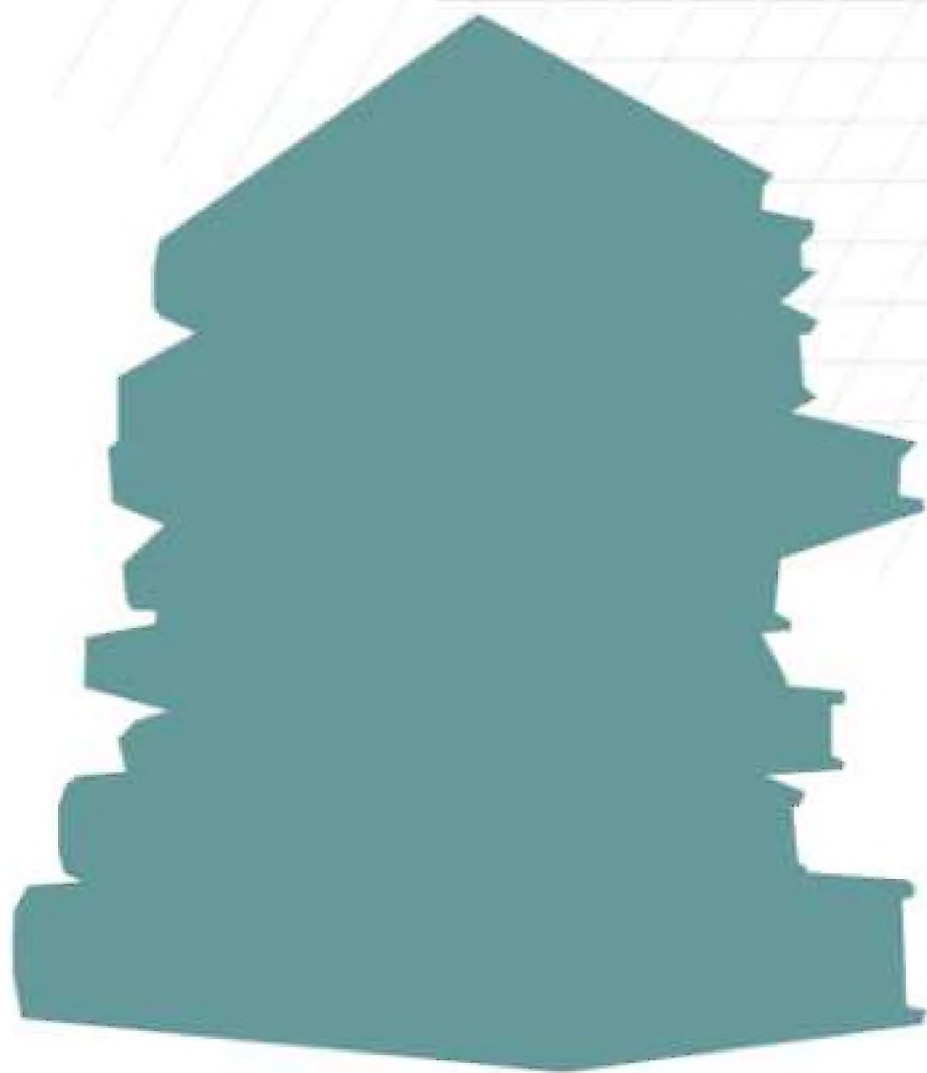
خواجہ عید اللہ مرعشی

محفوظ بقول نور علی نور



**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi  
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ  
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





چو مقرر بادشاهی آید

بہ تدبیر عبید اللہ آید

حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی،  
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کے جد طریق،

# حضرت سلطان الاولیاء خواجہ عبید اللہ

احرار نقشبندی



مؤلف

حافظ مولوی محمد تقی انور علوی کاکوروی  
تکیہ شریف کانپور کاکوروی ضلع لکھنؤ



یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اترپردیش کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

128648

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

حضرت سلطان الاولیا خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی

کتاب کا نام

حافظ مولوی محمد تقی انور علوی کا کوری

مؤلف کا نام

مؤلف

ناشر

۱۳۰۶ھ ۱۹۸۶ء

سن طباعت

۶۰۰

تعداد اشاعت

۵۰ روپیے

قیمت

نشاط آفیسٹ پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یوپی)

طابع

ملنے کا پتہ

کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری ضلع لکھنؤ



# انتساب

سیدی وسندی مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر  
صاحب قلندر (سجادہ نشین تکیہ شریفہ کاظمیہ کاکوری) وابی و شیخی معاشی و  
معادی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر صاحب قلندر ادام اللہ تلالہما کی  
خدمت میں جن کے فیضانِ علم و تربیت کے طفیل میں یہ چند سطور لکھنے کے  
قابل ہوا ہے

یا رب این سایہ الہی را      آفتابِ سپہر شاہی را  
بر سرِ بقا ممکن دار      بر سپہرِ خلود روشن دار



# نہایت

۵	۱۔ حرف آغاز
۱۲	۲۔ تمہید
۳۵	۳۔ احرار
۴۱	۴۔ سوانحی حالات
۸۱	۵۔ حالات و واقعات (کرامات)
۱۱۳	۶۔ واقعہ وصال
۱۲۱	۷۔ اولاد بزرگوار
۱۲۴	(۱) خواجہ محمد عبد اللہ نقشبندیؒ
۱۲۴	(ب) خواجہ محمد یحییٰ نقشبندیؒ
۱۳۱	۸۔ اقوال



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ”حَرْفِ اَعَاذِ“

بہ نام خدا ایز و ذوالجلال  
ہمہ پاک و پاکیزہ از عیب و شین  
بہ تنزیہ گوہر ز تشبیہ پاک  
بہ داد و دہش، پچو باران و بکد  
محمد کہ سلطان کون و مکاں است  
ظہور خدا از ظہور نبی است  
اگر او نہ بودے نہ بودے جہاں  
چراغ ہدایت برا فروختہ  
فرو زندہ مہر سپہر کمال  
مقر از تقیّد و از کیف و آہن  
فروع جہاں گوہر تابناک  
بہ مہر و وفا چیرہ بالائے قہر  
گزین بندہ خالق انس و جاں است  
عباں نور دانش ز نور نبی است  
نمی گشت اسرارہ ہستی عباں  
بہ مابندگاں شرع آموختہ  
درد خدا باد بر جان او

بر اولاد و اخاد و نادان

میری خاص غرض اس سوانح حیات کے مرتب کرنے کی یہ ہے کہ اس دور مادیت میں جب کی دنیا سے وابستگی، زروسیم کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ دوڑ، دولت کے حصول کی ہوس کہ ذریعہ حصول جائز ہے یا ناجائز روزی اکل حلال ہے کہ ناجائز طور پر بٹوری جارہی ہے، ہر شر خیر بن چکا ہے اور صالح قدیر ہیں۔ ہمدردی دسوزی، دردمندی یافت حق کا ذوق، حب انسانیت اور مال، ہستی کا خوف کہ اس دنیا کے بعد میں کوئی دوسری دنیا ہے جس میں ہمیں اپنی بد اعمالیوں کا حساب دینا ہے ذہن انسانی نے یکسر محو کر دیا ہے۔ اعمال شست کی کثافت نے روح انسانی کو اس بری طرح مجروح کر دیا ہے کہ انسان اپنی رفعتوں کو



چھوڑ کر پستی اور پست ہمتی کا شکار ہو گیا ہے۔ تمام عالم ایک میدانِ حشر ہے جہاں ہر شخص اپنی ذات میں گم ہے۔ اور اسکی خود مطلبی اور ذاتی مفاد پسندی اس کا موقع نہیں دیتی کہ دوسروں کے دکھ۔ درد اور غم میں شریک ہو۔ ہر شخص اپنی صلیب خود اٹھائے خونچکاں ہاتھوں اور زخمی قدموں کے ساتھ رنگرز حیات کے کٹرے کوں طے کر رہا ہے۔ وہ اپنے غم میں تنہا ہے اور یہ احساسِ تنہائی اسکے لمحاتِ مستی کو تلخ سے تلخ تر بناتی جا رہی ہے۔ سفاکی ظلم اور جذبہ استحصاں دل پر ڈیرہ ڈالے ہیں۔ ہر طرف معصیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پھایا ہے۔ زندگی تلاطم اور طوفان کی زد پر الاماں والا لحفظ کے نعرے لگا رہی ہے۔ کہیں اقدار کی روشنی کی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آتی جس سے دل کی دنیا روشن ہو سکے۔ بڑی طاقتیں اقدار کی ہوس میں کمزور قوموں کو معاشی غلامی میں جکڑ کر ان کو یہ موقع ہی نہیں دے رہی ہیں کہ وہ بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے معاشرہ کو مضبوط اور توانا بنا سکیں۔

یہ روحانی بامِ عروج پر پہنچتی ہوئی ہستیاں ہم کو حوصلہ دیتی ہیں ہمارے کمزور اور کم ہمت دلوں میں جرات و ہمت کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔ ان کی زندگیاں اور اُٹل صول زبانِ حال سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگر تم اعلیٰ صفات سے متصف ہونا چاہتے ہو تو ہم کو دیکھو۔ ہم نے مادیت کا جوا اتار پھینکا ہے ہم نے اپنے دلوں کو انسانیت کی محبت سے معمور کر دیا ہے اس لئے ہم سے سیکھو کہ نامساعد حالات کا مقابلہ کس جیوٹ اور بہادری سے کیا جاتا ہے۔ دنیوی جاہ و حلال سے بے نیاز ہو کر بھی کس طرح دلوں کو اپنے کردار کی باندی اور اپنے اوصاف کی خوبوں سے مستخر کیا جاسکتا ہے اور شیطانی قوتوں کو کس طرح شکست دی جاسکتی ہے۔ جب روح میں نکھار پیدا ہوتا ہے تو زندگی فلاح و صلاح کی راہ اختیار کر لیتی ہے اور معاشرہ کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ ایشار و ادارہ۔ وسیع النظر اور وسیع القلبی سب جذبہ محبت کا مال اور نتیجہ ہیں۔ جب ہم اپنی ذات اور نفس کے تقاضوں کو یکسر مٹا دیا اور فراموش کر کے عالم انسانیت کا درد اور دوسروں کے جگر کی چوٹ کو اپنے دل میں محسوس کریں۔ ان کے غموں کو اپنی ذات میں سمو کر ان کیلئے جراحت بائے گونا گوں کا مداوا مہیا کر سکیں۔ اپنی بصیرت کے کل الجواہر سے ان کی آنکھیں روشن کریں اور ایسے



نور سے معمور دل کی تجلیوں کی چھوٹ سے ان کے تاریک دلوں میں معرفت کی روشنی پیدا کریں۔

یہ اس امتِ مرحومہ کی جو کسی زمانہ میں خیرالام کے خطاب سے نوازی گئی تھی بڑی سعادت اور خوش قسمتی ہے کہ زمانہ کے ہر دور اور ہر صدی میں اس میں ایک گروہ حق ہیں و حق آگاہ کا موجود رہا جس نے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کا سامان مہیا کیا اور وادی ضلالت میں گم گشتہ مسافروں کو راہِ مستقیم پر لگاتا رہا۔ ان کی کیمیا اثر نگاہ نے دلوں کی دنیا بدل دی۔ شیشہ ہستی میں وہ جلا کی کہ چمک اٹھا۔ انھیں مبارک ہستیوں میں ایک ذاتِ حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار کی بھی تھی (جن کا مختصر تعارف مقدمہ میں پیش ہے) جنہوں نے اقلیم روحانی پر حکمرانی کی اور ایک قوی وقادر ذات سے وابستگی قائم کر کے قوت و ہمت کی وہ دولت بیدار حاصل کی جس نے ہزاروں کو نہ صرف راہِ معرفت دکھائی بلکہ امور مملکت میں بھی شاہانِ وقت کی رہنمائی کی۔ ان کو ظاہری جنگ و جدال سے بچا کر مظلوموں کو امن و ایمن کی پناہ گاہیں عطا کیں۔ میری محنت سوارت ہو جائے گی اگر اسکے قارئین تاریخِ عالم کے تیرہ و تاریک دور سے عبرت حاصل کریں۔ اخلاقِ بلند کو اپنائیں عزتِ نفس۔ خود داری۔ انسانیت دوستی رواداری کے ایسے اخلاقی حمیدہ کو شعار بنا کر دنیا کے حاضرہ کی پُر آلم زندگی کی کیف و مسرت کی جنت سے ہم کنار کریں اور جب اس دنیا کے فانی سے کوچ کریں تو اس احساسِ طمانیت و مسرت کے ساتھ کہ ہم نے دنیا کو جیسا پایا تھا اس سے بہتر چھوڑا کہ حیاتِ انسانی کا حاصل یہ ہے کہ خود اپنی ذات کی تکمیل کرے اور دوسروں کو بھی لذتِ عرفان سے بہرہ ور کرے۔

موجودہ دور اگر مادیت کی پستی کی آخری منزل پر ہے لیکن رحمتِ تمام سے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پامردی۔ ہمت اور جراتِ اخلاقی سے اپنی ذاتِ گرامی کو مزین کیجئے۔ تائید ایزدی آپ کو ایک باعزت اور باوقار زندگی کی بشارت دیتی نظر آئے گی۔ جینے کے لئے مرنے کا سلیقہ چاہیے اور زندگی ایسی بنائیے جیسا ایک مجاہد آزادی نے کہا ہے ہے

وہ مرد نہیں جو ڈر جاتے ماحول کے غوٹوں سے  
جس حال میں جینا مشکل ہے اس حال میں جینا لازم ہے



یہ بات میں نے اپنی تالیف ”مذکرہ گلشنِ کرم“ میں بھی اشارہ بھی تھی اور اس موقع پر ذرا وضاحت سے عرض کروں گا کہ موجودہ دور قہر تاتار کی تاراجی سے بھی کہیں زیادہ تاتاری تو آگ لگائے۔ شہروں اور قریوں کو تاخت و تاراج کرتے یا سلطنتوں کو برباد کرتے گذر گئے لیکن آج کی سفاکی کا تو نقطہ تنزلی اپنے آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے۔ آج کا انسان یا تو بہیمیت کی چلتی پھرتی تصویر بن گیا ہے یا پھر وہ ہمہ وقت آنے والی خلائی جنگ کے تصور سے لرزاں و ترساں ایک خوف کے عالم میں زندگی بسر کر رہا ہے اسکے اعصاب مستقبل کے خوف سے بکھر چکے ہیں اس کا ذہن ماؤف ہو چکا ہے۔ اور وہ بہ زبان حال تجسّس کن نگاہوں سے انسان۔ نیک دل انسان۔ دردمندانِ دل سوز انسان کی تلاش میں ہے اور یہ کہہ رہا ہے

دی شیخ با چراغ بھی گشت گردِ شہر

کز دیو و دملوئم و انسائم آرزو سست

لہذا اب ہوشمند انسان کیلئے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اس کثافتِ مادیت میں لطافتِ روحانی کے جوہر کو اپنائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ پرفتن اور محشرِ بداماں ادوارِ وقت کی تاریخ کا مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ اس دور کے مردانِ حق آگاہ حق شناس حق کیلئے اپنی زندگی سے کیا مثال قائم کرتے رہے کس طرح انھوں نے اپنی تزئینِ روح سے اور تنویرِ اخلاص و خلوص سے ایک بے حال دنیا کو ڈھارس۔ بہمت اور حوصلہ عطا کیا۔ بہتوں نے روحانی دولت کے ساتھ دنیوی جاہ و جلال کو بھی مصلحتاً اپنایا کہ وہ اپنی جاہ و ثروت سے معتبر اور پُر وقار بن کر انسانوں کی رہنمائی کر سکیں اور جس طرح علاجِ بالمثل ہوتا ہے وہ مادیت کی کاٹ مادی وسائل رکھ کر کریں اور دنیا کو دکھا دیں کہ دولت اگر بربادی اخلاق کا ذریعہ بن سکتی ہے تو اسی ماں دنیا سے ہزار ہا بندگانِ خدا کی امداد بھی کی جا سکتی ہے



اور دولت رکھ کر دولت کی آلائشوں سے دامن کشاں ہو کر صرف اس ذات کیلئے سب کچھ کریں جو ہیشترہ ہزار عالم کا خالق ہے اور جس کی مخلوق کی نفع رسانی اصل اسلام اور خدمت اسلام ہے۔

یہ گروہ عارفان ہمیشہ مظلوم ستم و جور سے خونچکاں انسانیت کیلئے پیکر رحمت و رافت بنے رہے اور ان کے رستے زخموں کیلئے مرہم شفا مہیا کرتے رہے۔ وہ ظالم و جابر بادشاہوں کو نڈر ہو کر مرد مومن کی بیباکی شان کے ساتھ ان کے مظالم سے روکتے رہے ان کو عاقبت کا خوف دلاتے رہے اور ان کی فوت روحانی کے سامنے یہ سلاطین باحشمت اور بادشاہان تخت و تاج سرِ نیاز خم کرتے رہے۔ ان کی ایک نگاہ نے قلوب کی دنیا بدل ڈالی۔

ان صوفیائے پاک طینت کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہر دور میں ایسے حضرات اپنی خانقاہوں میں مدارج روحانی طے کرتے ہوتے نظر آئیں گے جو مخلوق خدا کے دکھ۔ درد سے غافل نہیں رہے بلکہ وہ اپنے متوسلین۔ مسترشدین اور نیاز مندوں کے ذریعہ خراب و خستہ مخلوق کے دکھوں کو دور کرتے رہے ان کے مریدوں اور نیاز مندوں میں صاحب ثروت و اقدار حضرات بھی رہے جن کے رسوخ اور اثرات کو ان حضرات باصفائے خدمت خلق کا ذریعہ بنایا۔

زمانہ طالب علمی سے ہی مجھے سلسلہ علیہ نقشبندیہ کے بزرگوں سے طبعی موانست و کشش محسوس ہوتی رہی۔ کتب تصوف کے درس کے دوران حسب دستور الطاف القدس (مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) سبقاً سبقاً پڑھائی گئی۔ تعلیم اذکار سلاسل میں اذکار بلکہ تفکر نقشبندیہ میں خاص لذت و قلبی سکینت حاصل ہوتی تھی۔ جب میرے مربی و مرشدان بطریقت سیدی و سندی و مرشدی ذخیرہ یومی و غدی حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر و شیخی و قبلتی و طیفہ نوی و یقطتی والدی و استادی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر متبع الشیخہ العظیمین بطول حیات ہم و بقائہم نے مجھے ایسے نااہل کو اپنے کرم و مرحمت خاص سے اجازت و خلافت سلاسل ثمانیہ کی سند سے سرفراز فرمایا ہے



می نہ جوید لطف عام اؤسند آفتابے برحد شہامی زند  
کلاہ گوشہ احقر بہ آسماں برسید

اس میں سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت مختلف طرق سے ہے جسکو انہاج ثمانیہ کہتے ہیں ان میں ایک سلسلہ تو حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کا ہے جسکو سلسلہ احسنیہ کہتے ہیں دوسرا سلسلہ حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اور حضرت خواجہ باقی باللہ بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی مختلف طرق ہیں عرض کہ اس سلسلہ علیہ کی بیشتر شاخیں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کی ذات گرامی سے ہی منسلک ہیں۔ گویا آپ کی ذات مقدس ولایت و معرفت کا ایک ایسا بحر ناپید کنار ہے جس سے یہ ولایت و عرفان کے چشمے و نہریں جاری ہیں۔

مجھے حضرت خواجہ صاحب کے حالات کی عرصہ سے تلاش و جستجو رہی چنانچہ میں نے مختلف کتابوں، تاریخوں، مخطوطوں، مطبوعہ و غیر مطبوعہ ملفوظات کو پیش نظر رکھ کر آپ کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کیا اور واقعات حیات کا جائزہ لینے کے بعد آپ سے اس درجہ متاثر ہوا کہ آپ کی حیات مقدسہ پر ایک بسیط مضمون لکھ کر ماہنامہ ”برہان“ دہلی میں اشاعت کیلئے بھیجا۔ میرے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم نے مضمون کو نہ صرف پسند کیا بلکہ میری ہمت افزائی فرما کر اپنے موقر رسالہ میں سب سے پہلے جگہ دی اور تین اقساط میں شائع فرمایا۔ میں ان کی وسیع القبلی اور روشن خیالی سے بچہ متاثر ہوا کہ وہ دوسروں کی آراء سے جس نے وہ یک گونہ اختلاف بھی رکھتے تھے اپنے جریدہ میں اس کا موقع دیتے تھے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ مجھے اس سے بڑا حوصلہ ملا اور میں نے مختلف مطبوعہ و غیر مطبوعہ ماخذات سے استفادہ کر کے ان کی سوانح حیات پر زیر نظر کتاب مرتب کی۔

مولانا نے محترم کی دلی آرزو یہ رہی اور انھوں نے متعدد بار زبان سے اس کا

اظہار بھی کیا کہ دو کتابیں ایک قول الجلی کا ترجمہ دوسرے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی سوانح حیات جو میں نے مرتب کی ہیں شایع ہو جائیں خصوصاً قول الجلی میں جو انقلاب

آفریں خیالات اور علمائے ظاہر کے مفروضہ نظریات کے جوابات میں جو اشکال اور مسائل تھے ان کو وہ برسرِ عام لانے کے خواہشمند تھے۔ اور انھوں نے یہ تک فرمایا تھا کہ وہ ان کتابوں کو خصوصاً القول الجلی کے ترجمہ کو ندوۃ المصنفین سے خود شایع کریں گے۔ فوسل کہ ان کے غیر متوقع سانحہ ارتحال سے اعلیٰ کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ آج اگر وہ حیات ہوتے تو یقیناً میری اس کاوشِ ذہن و قلم سے محظوظ و مسرور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس عالم میں شاداں شاد رکھے اور درجاتِ علیا عطا فرماتے۔

بہر حال حیاتِ خواجہ علیہ اللہ احرار حاضِر خدمت ہے۔ انشاء اللہ العزیز القول الجلی کا ترجمہ بھی جلد ہی منظرِ عام پر آکر نظر افروز ناظرین و اہل تحقیق ہوگا۔

آخر میں ناظرین سے یہ گزارش ہے کہ اگر ترجمہ یا عبارت میں کوئی سہو یا خامی ملاحظہ فرمائیں تو اہلِ سانِ مرکب مننا لخطا بر والنسیان کو بد نظر رکھتے ہوئے چشم پوشی فرمائیں اور دعائے خیر میں فراموش نہ فرمائیں

احقر تقی انور غفرلہ  
تکلیف شریفہ کاظمیہ کاکوری  
۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ بروز یکشنبہ



## تمہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذی ہوا الواحد لا حد فی وحدانیۃ، الفرد المتفرد بفرادیتہ، العزیز المتعزذ بالعزت، الخبرون، الفدیر المقدر بالقدرۃ وهو حی لا یموت، الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین، خاتم النبیین حبیب رب العالمین وعلی آلہ واصحابہ ہذا طرق الحق والیقین، وسفن بحار الدین، وجعل الاولیاء والعارفين، وارث مقامات الانبیاء والمرسلین مرتبی المسترشدين، روح اللہ ارواحہم الطاہرۃ وعطر اللہ فرائحہم المبارکۃ

حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن حکیم فرماتا ہے کہ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُولًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُؤْکِیْہُمْ" (یعنی اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا جو انہیں آیتیں سناتا اور ان کو سنوارتا ہے۔) حضور اقدس امراض روحانی کے طبیب کامل اور نبض فطرت کے سب سے بڑے نباض تھے۔ اپنی امت اور اپنے صحابہ کرام کے ہر فرد کے مزاج فطرت اور اقتضائے طبیعت۔ ہر ایک کا عین ثابت معائنہ فرما کر اور انہیں ہر طرح سے جانچ و پرکھ کر ان کا علاج تجویز فرماتے تھے۔ چونکہ ہر فرد کا مزاج اس کی افتادِ طبع اس کی طبیعت و فطرت بیشتر دوسرے سے مختلف اللہ نے تخلیق فرمائی ہے۔ اسی لئے طریقہ علاج اور دوا بھی مختلف ہوتی ہے۔ گرم مزاجوں کیلئے گرم دوائیں نقصان رسا ثابت ہوتی ہیں۔ اور سرد دوائیں مضر پڑتی ہیں۔ انگریزی مثل بھی ہے کہ ایک شخص کیلئے جو دوا ریاق ہوئی ہے وہی دوسرے کیلئے زہر بن جاتی ہے۔ حضور کی حیاتِ طیبہ و نیر اکابرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نے ان کی اصلاح نفس تزکیہ باطن اور تجلیہ روح کے مختلف طریقے ان کی فطرت اور طبیعت کے مطابق اختیار فرمائے۔ اگر کچھ صحابہ کرام کیلئے فقر و فاقہ و عسرت کی زندگی بسر کرنے میں ان کی فلاح و روحانی ترقی تجویز فرمائی۔ اور اس طریقہ کو ان کیلئے پسند فرمایا تو دوسری طرف بعض اکابر صحابہ کو دولت و ثروت کے حصول کی توفیق عطا فرما کر اس کیلئے ان کی ہمت افزائی فرمائی۔ اگر ایک طرف حضور نے الفقیر فخری (فقر میرے لئے فخر ہے) ارشاد فرما کر صحابہ کرام کے ثلوب کو حرص مال و حب جاہ دنیا سے بے نیاز کر دیا

تو دوسری طرف کا واقعہ فقران یکون کفرًا (مجھے خوف ہے کہ فقر کہیں کفر تک نہ پہنچا دے) ارشاد فرما کر ان کو متنبہ فرمایا کہ ناقابلِ برداشت عسرت اور تنگدستی بعض اوقات انسانوں کو اتنا زائد پریشان اور تنگ دل کر دیتی ہے کہ وہ مائل بہ کفر ہو جاتے ہیں اور اس پریشان حالی میں مضطرب ہو کر وہ اعتقاداتِ کفریہ کی جانب مائل ہو کر ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں جو کفر کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس مؤخر الذکر حدیث کی علی توضیح و تشریح اس طرح فرمائی کہ ایک دولت مند صحابی کو آپ نے دیکھا کہ صاحبِ حیثیت و ثروت ہوتے ہوئے بھی وہ معمولی حیثیت سے رہتے ہیں۔ ایک بار وہ حاضر تھے کہ حضورؐ نے نہ صرف اظہارِ ناگواری فرمایا بلکہ ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم کو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس طرح رہو کہ اس کی نعمتوں کا اظہار لوگوں پر ہو۔ اور اس کے شکر گزار بندہ بنو۔ چنانچہ انھوں نے آپ کے فرمانے کے مطابق اپنا طرزِ ماہد و بود تبدیل کیا۔ قیمتی لباس پہن کر حاضر ہوئے۔ حضورؐ خوش ہوئے۔ خود حضورؐ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فاقوں۔ پیوند لگے کپڑوں اور جھونپڑے نامکان میں مسرور شکرانہ زدگی گزارتے تھے۔ وہاں کبھی کبھی لباسِ فاخرہ و رنگین میں مجمعِ اصحاب میں منبر شریف پر جلوہ فگن ہوتے تھے اور اس عہد کے عرب کے مردِ بہترین اور لذیذ غذاؤں سے کام و دین کو محروم و نا آشنا نہ فرماتے تھے۔ واقعہ ایلا کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشانہ نبوت اگرچہ غام تھا لیکن دو منزلہ تھا۔ اپنے محبوب و سببِ لطوات چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو شان و شوکت و ناز و نعم میں بسر کرنے میں مالی اعانت فرماتے تھے۔ جانشین رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دولت و ثروت اور مالی خدمات کو حضورؐ نے کیسا سراہا؟ اظہارِ تشکر میں فرماتے ہیں کہ "مَا نَفَعَنِي مَالُ أَحَدِكُمْ كَمَا نَفَعَنِي مَالُ أَبِي كَبْرٍ" (یعنی تم میں سے کسی ایک کے مال و دولت نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے) حضرت عمر فاروقؓ کے حصولِ معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا جو ہجرت کے بعد بھی جاری رہا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی محلولہ ملک اراضی پر زراعت بھی کرتے تھے۔ بعد کو خلافت کے بارگراں اور اس کی عظیم النظیر مصروفیات و خدمات نے آپ کو بچہ مصروف و محتاط بنا دیا تھا۔ دورِ خلافت کا عہد گویا آپ کا اختیاری فقر تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی دولت و ثروت اور امیرانہ طرزِ معاشرت اور اس سے اسلام و مسلمانوں کی نفع اندوزی کی ہزار ہا داستانیں ہیں۔ مدینہ میں جس وقت مسلمان شیریں پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہے تھے تو آپ نے ہی بیرومہ (جس کا مالک دشمن یہودی تھا) بیش ہزار میں خرید کر توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا یا حبش عسرہ (بے سرو سامان لشکر) آراستہ کرنے کیلئے



آپ نے حضور کے قدموں میں اپنے کسب و مال و دولت کے انبار لگا دیئے۔ اس وقت حضور کی مسرت و خوشی کا یہ عالم تھا کہ درہم و دینار کو دونوں ہاتھوں سے اچھالتے اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیتے جاتے۔ حضرت علیؓ کو اللہ وجہ کو حضور نے اپنا نفس (محمّد الذات والصفات) فرمایا اس لئے ان کے حسب فطرت طہیت صرف لباس الفقہ غری عطا فرمایا۔ یعنی فقر و فنا و بیستی کی لذتوں میں ہمہ وقت مستغرق رہ کر انہوں کے ہاتھوں ناکامیوں میں بسر کرتے ہوئے مشاہدہ ذات میں مستغرق رہتے رہے۔

غیر ناکامی دریں رہ کام نیست      راہ عشق است این رہ عاقبت

اسی لئے مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آپ کو امت محمدی کا سب سے پہلا مجذوب لکھا ہے۔ (یعنی جس کی حریت کو ذات حق نے اپنی کثیت میں جذب کر لیا) گویا حضور نے ان کو اپنا نقش بنا دیا۔ دوسری طرف شاہزادگان رسولؐ حضرات حسین علیہا السلام کی مبارک زندگی پر نظر ڈالئے تو ان کی داد و دہش کے صد ہا قفسے سیرتاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت امام حسنؑ کے جاہ و ثروت کا یہ رنگ تھا کہ ایک ایک وقت میں لاکھوں صرف ایک سائل کو دیدینا معمولی بات تھی۔ آپ کا دسترخوان بہت وسیع اور لذت کھانوں سے پُر ہوتا تھا۔ وہ ایسا خوان لیما تھا جس پر دوست و دشمن سب کے ہی کام و دہن بلا استثناء لذت یاب ہوتے تھے اور ہزار ہا فاقہ توہ لوگ شکم سیر ہوتے تھے۔ سرکارِ دو عالم کے بہت ہی محبوب و جباری حضرت زبیرؓ (چھوٹی زاد بھائی) کی زراعت و باغبانی (کھجور و انگور کے باغات) اتنے بڑے رقبہ میں تھی کہ ایک ایک وقت میں ہزار ہا مزدور کام کرتے تھے۔ نہایت فارغ البالی اور بڑی شان سے زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کی جاہ و ثروت کا حال عالی شان محلات اور مال و دولت کی اتنی فراوانی کہ دربار میں لاکھوں کروڑوں بصورت درہم و دینار تقسیم ہوئے اور سونے کے اتنے بڑے بڑے ڈلے تھے جو کلہاڑی سے کاٹ کر تقسیم کئے گئے۔ میں نے صرف خاندان نبوت اور حضرات عشرہ مبشر رضوان اللہ علیہم کے حالات سے چند مثالیں دی ہیں۔

حضور سرورِ عالم نظام معیشت کی اصل روح سے واقف کر لئے گئے تھے۔ آپ اکمل ماہر نفسیات بھی تھے۔ آپ نے طبقاتی جنگ کو پسند نہیں کیا۔ امراء و بزرگوار کو ایک دوسرے سے صفا آرا نہیں ہونے دیا۔ غریب و نادار اپنی غربت میں خوش تھا۔ محنت و مزدوری سے کسب حلال میں

معروف تھا۔ اور دولتمندوں کی دولت کی طرف لپٹائی نظروں سے دیکھنا خودداری اور عزت نفس کے منافی سمجھتا تھا اسی طرح دولتمندوں کے قلوب سے دولت کی لالچ جرم و محبت اس طرح دور کی کہ ان کے دل میں اپنی توجہ اور تصرف باطنی سے یہ بات بٹھادی اور یہ حقیقت نقش کردی کہ دولت و ثروت امانت الہی ہے۔ وہ اس کے امین ہیں۔ حسب احکام الہی اس کا بر محل صرف کرنا۔ حقوق العباد کا ملحوظ رکھنا۔ مخلوق خدا کے ساتھ معاملات میں سچا رہنا۔ ان کا اولین فرض منصبی ہے۔ حضور نے ان کے قلوب سے دنیا کی محبت و حرص کا زنگ دور کر دیا۔ ان کے آئینہ قلب پر ایسی صقل کردی کہ اس میں رُخِ یار کا عکس بھلک اٹھا۔ جب قلب نور الہی سے معمور ہو گیا تو دولت و ثروت کی نظروں میں پہنچ پوچھ ہو گئی۔ نصرت اسلام کے وہ ناصر بنے۔ اپنی دولت راہِ خدا میں لٹائی اور اس سے اساس اسلام کو استحکام عطا فرمایا۔ صحابہ صفہ تنگ دستی اور فقر میں مست رہے۔ اور ساز و برگ ہستی سے ہمہ تن بے نیاز رہے۔ عاشق رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک بار عرار سے عرض کرتے رہے کہ کسی مقام کے حاکم بنا کر بھیج دیئے جائیں لیکن ناز بردار محبوب نے کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ ارشاد ہوا "اے ابوذر! تم کو ایک غلام کی ماتحتی اور سرداری میں اس کا محکوم بن کر رہنا مفید ہے۔ کبھی حاکم بننے کی کوشش نہ کرنا۔ چنانچہ جب آپ نے ربذہ میں قیام فرمایا تو ایک ہنسی غلام نے جو وہاں کانگلوں تھا آپ سے امامت کی درخواست کی۔ آپ کو ارشاد محبوب یاد آیا آپ نے اس ارشاد کی اتباع فرمائی۔ یہ اختلاف تعلیم بوجہ اس حکمت الہیہ کے ہے۔ "عسی ان تکرھوا یثابروا و یمکد و عسی ان تجوا شیئا و ھو شئ لکم (جس چیز کو تم بُرا سمجھتے ہو ہو سکتا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور جس چیز کو تم بہتر سمجھتے ہو ہو سکتا ہے وہ تمہارے لئے بُری ہو)

کلام پاک میں کہیں تو اس طرح تعلیم ہے "الذین ینفقون اموالھم باللیل والنهار سراً و لاینة فلوھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (جو لوگ اپنا مال رات و دن چوری چھپے اور کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں تو ان کا اپنے رب کے پاس بڑا اجر ہے نہ ان کو خوف طاری ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے۔) دوسری جگہ اس انداز میں تعلیم فرما کر متنبہ فرماتا ہے "ان اللہ لایحب المسرفین" یا ان المبدرین کا ذل انھم الشیاطین" (یعنی اسراف کرنے والوں یا فضول خرچ کرنے والوں کو) پسند نہیں کرتا۔ فضول خرچ کرنے والے



شیطانوں کے بھائی ہیں) ایک جگہ خود حضور اکرم فرماتے ہیں کہ ”یأتین علی الناس زمان لا ینفع فیہا الا دھم و دینار“ (یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کو دولت سیم و زر سے زائد کوئی چیز نفع بخش نہ ہوگی) یعنی عزت نفس۔ اخلاقی جرات انسان میں اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب وہ دوسروں کی مدد و استمداد سے بے نیاز ہو بلکہ رشد و ارشاد کیلئے دوسرے عاجمند لوگوں کیلئے طعام و قیام کا سامان مہیا کر کے ان کو طلب حق یا یکسوئی سے مشغول رکھ سکے۔

قرآن نے متقیوں کے جو فضائل و خصائص بیان کئے ہیں اس میں ایک ماہر الامتیاز خصوصیت یہ بھی بتاتی ہے ”وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ یَسْرِ فَوَاضِلُ مَقَدِّدُوا ذَلِكُمْ قَوَّامًا“ (یعنی متقی وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اپنی حیثیت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ کم۔ نہ اپنا پیسہ فضول اڑاتے ہیں اور نہ کچھ سی کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک سب سے مغفوس چیز یہ ہے کہ امت رسول دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ گداگر بنے اور آبرو بگڑے۔ انسان کی عزت اسی وقت تک ہے جب تک اس کی مٹھی بند رہے۔ اور اس کا ہاتھ کسی کے سامنے نہ پھیلے۔ جہاں پھیلا عزت ختم ہوئی مال کا تحفظ آبرو کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بہترین مال وہ ہے جس سے عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے۔ روپیہ قرآنی الفاظ میں زینت حیات ہے۔ ”بے زر“ بے پر ہے۔ جو شخص آئندہ تحفظ کیلئے محنت کر کے روپیہ پیدا کرتا ہے۔ وہ گویا اللہ کی راہ میں محنت کرتا ہے۔ عبد اللہ ابن عمر بن العاص اور عبسہ ابن ابی سفیان سے جاگیر کے متعلق کچھ جھگڑا ہوا۔ صورت حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے حضرت خالد ابن العاص نے سمجھانا چاہا۔ حضرت عبد اللہ نے بے باکانہ فرمایا کہ خالد! کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ پیرے کے بہت بڑے تاجر اور دولتمند دولتمند تھے۔ انہوں نے حضرت امام محمدؒ کی صلاحیتوں کو پرکھ کر ان کی ساری کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ اور وہ ان کے مایہ ناز شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اگر امام صاحب اتنے دولتمند نہ ہوتے تو کس طرح ہونہار شاگردوں کی صلاحیتوں کو بار

اور ہونے کا موقع دیتے۔ ایسی ہزار ہا مثالیں عہد رسالت۔ عہد خلفائے راشدین۔ عہد تابعین و تبع تابعین میں ملتی ہیں کہ جب دولتمند علماء۔ صلحاء۔ فقراء نے دولت کو برتا۔ اس سے خود فائدہ اٹھایا۔ اپنے وقار و معاشرت میں اپنی عزت کو برقرار رکھا اور دولت کو ذریعہ عمل خیر سمجھا نہ کہ صرف اپنے لئے آلہ لذت نفس و عیش و عیاشی بتایا۔ قرآن کریم کی یہ آیت بھی ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْهُمۡ تِجَارَةً وَّلَا بَيْعًا مَّا ذُكِّرَ بِكُمْ مِنْهُ“ اور ”وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْا“ ان لوگوں کو نہیں غافل کرتی تجارت اور فروخت اللہ کے ذکر سے (اور ہم نے ان کو دیا جو اسے وہ خرچ کرتے ہیں۔ اسی بات کی شاہد ہے۔ حضرت مولانا نے روئے بھی اس کی تفسیر کی جو حضرات ایسے علیہم السلام تعلیم فرما گئے ہیں۔

چست دنیا از خدا غافل بدن  
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن  
یعنی دنیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا ہے نہ کہ لباس فاخرہ۔ سیم وزر اور اہل دنیا کی طرف مشغول ہونا۔

حضرت امام احمد غزالیؒ کی دولت و ثروت اور جاہ و شہم کے معیار کو دیکھ کر مخالفین اور معترضین نے شدت سے ان کو بدھ و ملامت بنایا۔ اور آخر کو دل کی بات زبان پر لا کر اعتراض داغ ہی دیا کہ حضرت آپ اپنے کو درویش سمجھتے ہیں اور اس قدر اونٹ و گھوڑوں کے مالک ہیں۔ آپ نے یہ شکر فرمایا کہ ”مخ طویلہ در گل زندہ ام نہ در دل“۔ یعنی یہ تمام دنیاوی لوازمات میرے قلب کی یکسوئی کے مانع نہیں ہیں بلکہ معاون ہیں۔ میں نے طویلہ کی گھنٹی میں گڑی ہیں نہ کہ اپنے دل میں۔

صوفیائے کرام میں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد رشد و ہدایت میں نہایت شان و جلال اور کرد و فر سے رہتے تھے۔ آپ کا لمبوس نہایت قیمتی کپڑے سے بنتا اور آپ نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا بھی نوش فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کے ٹھاٹھ باٹ و طرز رہائش پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا خطرہ دوڑا کہ مردے کا کفن بھی قیمتی ہی ہونا چاہئے گویا جس نے اپنے نفس کو مردہ کر دیا اس کیلئے دیبا و حریر۔ ”ٹاٹ و صوف یکساں ہیں حافظہ گر طہارت نبو و کعبہ و بیت خانہ کے است خیر باشد نہ درانی خانہ کہ عصمت نہ بود

یہ حفظ عصمت اور صفائی قلب ہی اصل الاصول ہے۔ جب قلب تمام ذمیوی آلودگیوں سے پاک ہو کر خلوت خانہ محبوب ہو گیا۔ تو اس نور و نورانیت کے مقام میں سیم وزر۔ نعل و جواہر کی چمک دمک

نہ صحت سنہ۔ مسند امام احمد ابن حنبل۔ طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ۔



بے حقیقت و بے نور ہو جاتی ہے۔ لیکن ظاہر ہیں حضرات جو باطن کی کیفیات اور صوفیہ کے حال و مقام سے بے خبر ہیں۔ بقول حضرت جگر سے

نارِ صبح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے      رازِ شکستگی سمجھ۔ رنگِ شکستگی نہ دیکھ  
ان حام کار موٹی عقلوں کے خاکی پتلوں کو کون سمجھا سکتا ہے یہ تو اس گروہ میں ہیں بقول حضرت  
سعدیؒ سے

شورِ بختاں بہ آرزو خواہند      مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ  
یعنی یہ بد بخت و بے نصیب تو ہر وقت بوجہ حسد اسی آرزو و تمنا میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مقبولانِ بارگاہ کی جاہ و نعمت کا زوال ہو۔ خواہ ان کو خود اس سے کچھ نفع نہ حاصل ہو۔ اس کمینہ خصلت سے جس کا شمار بدترین صفاتِ ذمیمہ میں ہے۔ خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مَحْسُوْدًا وَّلَا تَجْعَلْنِيْ حَاسِدًا (یعنی اے اللہ مجھے محسود بنانا لیکن حاسد نہ بنانا) یہ دولت دنیا بھی ان حضرات کیلئے ایک نوع کا رنگِ شکستگی ہے۔ جب یہ ترہ بخت ظاہر ہیں غیب جو نظروں سے ان کے عزت و وقار۔ جاہ و جلال۔ دولت و ثروت کو دیکھتے ہیں تو حسد سے جل اٹھتے ہیں اور مقدمہ ریمہ طنزد تعریفی اور عائدانہ تبسم کے تیر و نشتر سے ان کے دلوں کو پھیلنے کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یہی ان کی شکستگی دل کا باعث بن جاتا ہے۔ اور وہ اپنے صبر و تحمل سے بہر حال فائدہ میں رہتے ہیں۔ اَخْلَعْتُكَ الْمُنْكَسِرَةَ قُلُوْبُهُمْ لَا جَبِيْ (حدیث قدسی) یعنی میں شکستہ دلوں کے قریب رہتا ہوں۔

ماضی بید کے حضرات صوفیہ کرامؒ کے علاوہ ماضی قریب و حال میں بھی اکثر صوفیائے کرام کا تمولِ زباں زد خاص و عام رہا ہے اور ان کے رموزِ باطنی سے ناواقفیت و جہالت کی بنا پر طنز و مزاح اور وہ عن و تشنیع رہا ہے۔ ان کے خالقانہی اخراجات کے باعث ان کو ہمیشہ ہدفِ ملامت بنایا گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی کا لنگر دیگر صوفیاء کی طرح نہیں تھا کہ بندھی کی دال روٹی کا تبرک تقسیم ہو جائے۔ اور بس بلکہ آئندہ دروند اور وقتی قیام کرنے والوں کو ان کی حسبِ خواہش و فرمائش کھانا ملا کرتا تھا۔ اور ان کا خود یہ عالم تھا کہ دوین تولے بنا دل فرما کر آبِ دیدہ ہو جاتے اور یہ خیال ان کو توڑ پارتا کہ اللہ معلوم اس وقت کتنے بندگانِ خدا دہلی میں بے آب و دانہ بیتاب و مضطرب ہوں گے۔ فیض و کرم کا بحرِ ناپید اکنا لاکھوں حاجت مندوں کی حاجت و دوائی کا سامان مہیا

کیا کرتا اور ان کو سیر و سیراب کیا کرتا۔

حضرت قطب الدین بنیاد قلندر جو پوری اور ان کے مابعد سلسلہ علیہ قلندریہ کے ادیار اللہ بڑے پیمانے پر کاشتکاری کرتے تھے۔ اور اسی پیشہ کے ذریعہ طالبین کا کشور کار فرماتے تھے۔ مدہا طالبین شہر کی مساجد میں آپ حضرات کے مہمان ہو کر قیام کرتے اور سلوک طریقت طے کرتے۔ حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجاقلندر لاہر پوری (شاہجہاں اور داراشکوہ کے مقتدر علیہ) قادری الطریقت و قلندری المشرّب بزرگ تھے۔ میرے علم میں سلسلہ علیہ قلندریہ میں باقاعدہ خانقاہی نظام کے آپ ہی بانی تھے۔ بہت بڑی جاگیر و جائداد کے مالک تھے۔ ایسا کہ ہر طالب صادق کو ان کے اہل و عیال کے کفالت کی ذمہ داری اور فکر سے آزاد رہے نیاز فرماتے کیلئے کم از کم دوسو روپیہ سالانہ عطا فرماتے تھے تاکہ وہ فکر دنیا سے آزاد رہے نیاز ہو کر ان کی خدمت میں قیام کر کے مدارج سلوک طے کر سکیں۔

الغرض فیض عالم کے سامان کیا دولت کے رہین منت نہیں۔ کیا خدمتِ خلق اور فکرِ رفاہِ عام بروئے کار آ سکتا تھا اگر ادیار اللہ حسبِ تالک یہ جائز کسب و دولت نہ کرتے۔ ظاہری شاہانِ ٹھٹھا رکھتے ہوئے بھی وہ دل کو گنجینہ معرفت و خزانہ محبت حق بنائے تھے۔ ان کے دلِ حرصِ مال و حُبِ دنیا سے پاک اور ان کے قلوب ہمہ وقت جلوہ گاہِ حق بنے رہے۔ باوجود کسبِ معاش میں مشغول رہنے اور دولت مند ہونے کے ان کا رابطہ مع الہی اسی طرح قائم رہا اور قلبِ جلوہ محبوب کی طرف منجذب رہا۔ جس طرح نوہا جس وقت بھی مقناطیس کے مقابل ہوتا ہے اس کی طرف کھینچ جاتا ہے۔

کیا یہ سب حصولِ دولت صرف اپنی آسودگی نفس کیلئے تھا؟ ہرگز نہیں۔ ان صوفیاء کی ذاتی زندگی سادگی کی ایک نمونہ تھی۔ وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی گزارتے تھے۔ رسول اللہ کا حکم ہر وقت ان کے دل و دماغ میں رہا بسا تھا "کن فی الدنیا کانک غریباً و عابو سہیل غلاً" (یعنی دنیا میں ایک مسافر دیر لسیا) یا راہ گیر کی طرح رہو اور اللہ کا ذکر اور اس کی اطاعت لازم کر لو) حصولِ دنیا کے پاؤں وہ صرف اس لئے بیٹے رہے کہ دکھے ہوئے اور زخمی دلوں کے لئے سامانِ مرہم فراہم کرتے رہیں۔



چاہتا ہے عشق رازِ حسنِ عریاں کیجئے  
یعنی خود کھو جائیے انکو نمایاں کیجئے

مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ”شیخ وقت اور کامل کیلئے با اقتدار  
و مہذب و متحد ہونا ضروری ہے۔“ دوسری جگہ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ بزرگؒ (والدہ) نے  
بہ اشارہ و غیبی مجھے ہمراہ لے کر یہ دعا مانگی کہ ”اللھم اعط صالاً و ولداً و شریح صدقہ الدنیا و الدنیا ما عندا  
لموت و مغفرة بعد الموت و فردوساً فی الجنة۔“ (ادلیں دعا مال و دولت کی طلب ہے)

رازِ درون پر وہ زردانِ مست ہیں اسے مدعی نزع تو بارِ پردہ و ارحیت

وہ پردہ دار جو اپنی خوبیوں۔ اپنے روحانی و باطنی مقامات کو برسرِ عام و عامی نظروں سے  
چھپائے ہوئے ہیں۔ جو نیک نامی و شہرت کی ہوس سے کوسوں دور حالتِ اخفا و کتمان میں اپنے  
حال و مقام کو صیغہ راز میں رکھنے کی کاوشوں میں مشغول ہیں۔ ظاہر میں نگاہیں کیا جانیں کیا سمجھیں کہ یہ  
اس دولتِ دنیا کے حصول اور دنیاوی کاروبار میں ظاہری انہماک کے کیا کیا باطنی اور روحانی مصالح  
ہیں۔ دل بہار و دست بہ کار رہنے کو خصوصاً حضراتِ نقشبندیہ خاص روحانی عمل قرار دیتے ہیں جس  
کیلئے سہرِ حلقہ نقشبندیاں خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے ”خلوت در انجمن“ کی خاص اصطلاح ایجاد فرما کر  
اپنے مسترشدین کو اس کی خاص تعلیم فرمائی۔ سطحی نظریں اور ظاہر پر ٹھہر جانے والی بصیرت سے عاری  
آنکھیں کیا جانیں کہ ان اولیاء اللہ کا کیا طریقہ سلوک اور کیا مسلک رہا ہے۔ اور اپنے پیروں کو باطنی  
دولت سے مالا مال کرنے کے کیا کیا طریقے اختیار فرمائے۔ صرف عبادتِ بدنی اور جسمانی مجاہدے  
اور ریاضتیں کافی نہیں بلکہ عبادتِ مالی اور دیگر بیشتر طریقے ہیں۔ جن کے ذریعہ مسترشدین کی اصلاح  
نفس و باطنی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ ہر شخص کے حسبِ حال و حسبِ مزاج و فطرت ہوتا ہے۔

آج یہ رفاہ عام کی جو جلوہ نمایاں ہیں عالما ہوں میں اوقاتِ مقررہ کا اہتمام لاکھوں روپیہ حاضرین  
و طالبینِ حق مہمانوں کے قیام و طعام پر خرچ کرنا اور طالبین کو جذب و سرستی و عرفان و اخلاق کی  
تعلیم دینا۔ یہ آج ہزار ہا دینی مدارس میں علوم و فنون کی ترویج اور یہ نئی نئی سائنسی ایجادات جن سے  
انسانی زندگی کو مادی سکون دیا جاسکے، کیا دولت کی بدولت نہیں؟ ہاں یہ سب وقوف ہے دولت  
کے صحیح و مناسب استعمال پر۔ ان صوفیاء کرام کیلئے اس کسبِ دولت کی علت غائی یہ تھی کہ عام

۱۔ الصوالی الجلی

لوگ یہ جانتے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر دولت باعثِ صدمہ و زحمت ہے تو بے شمار نعمتوں کا ذریعہ بھی ہے۔ اور ان میں یہ بصیرت پیدا ہو جائے کہ وہ اس رمزِ اکشاپ دولت کو پالیں۔ اور ظاہر سے ترقی کر کے باطن کی حقیقت کو سمجھیں اور پائے نظر کو آزادی دیں۔ اور خود بینی اور خودی کی زنجیروں کو توڑ کر ان ادیبانہ کی کاوشوں اور کوششوں کا عرفان حاصل کر کے عارف اور حقیقت ہیں بن سکیں۔ یوں تو ہمیشہ سے صوفیائے کرام ہدفِ ملامت بنتے رہے۔ مگر فی زمانہ اس گروہ کے صوفیاء جن کو اسبابِ معیشت میسر تھے یا ہیں ان پر طعن و طنز عام شعار اور فیشن ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم بلا استثناء طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں سہ

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے روشن  
یہ طنز ان کی ذہنی و دماغی کاوش ہے جو مشرقِ فلسفی نطشے کے دل کو مومن اور دماغ کو کافر کہتے ہیں۔ سہ

قلبِ اُد مومن دماغش کافر است

حالانکہ مومن کا قلب ہی عرشِ اللہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ ذہن و دماغ کو ہی اپنا رہبر بنائے رہے لہذا وہ کیوں عیب جوئی میں اپنے کو اوروں سے پیچھے رکھتے جن کیلئے بجلی کی روشنی اور کلبہ ریاضت کی تاریکی ایک ہو۔ جسے جلوہ حق کا نور ہمہ وقت اندھیرے اجالے نظر آتا ہو۔ اس کی نگاہ میں ہزاروں دلف بجلی کے بلب کی روشنی کی کیا حقیقت۔ یہ شمرِ مریدین کیلئے سامانِ عبرت فراہم کرتا ہے۔ مرید کا یہ خطرہ کہ وہ پیر کے ظاہری اسباب پر حسد کرے اس کی محرومی و خسرانِ الآخرۃ کا باعث ہو گا کیونکہ اس قسم کے خطرات اس کی ارادت کو سوخت کرتے ہیں۔ جب ارادت نہ رہی تو پھر سوا مناققت و تیرگی کے اس کے دل میں کیا باقی رہا۔ سہ

مے کہ بدنام کنذاہل خرد را غلط است بلکہ مے می شود از صحبتِ نادان بدنام

اگر دولت کو امانت و ملکِ الہی سمجھ لیا جائے۔ اگر دولت کے حصول کا مقصد حکمرانوں و امراء پر غرور سے بے نیازی ہو اگر ذرائع و وسائل دنیاوی حاصل ہونے کے بعد جراتِ اخلاقی اور جذبہ معرفت و خدا شناسی تعلق مع اللہ زندہ و تابندہ و بیدار رہے۔ تو باعثِ برکت و سعادتِ اخروی ہے۔ ارباب ظاہر پرست جو صوفیاء کرام کے حال و مقام سے بے خبر ہیں ان کو اس کا استحقاق نہیں کہ وہ ان حضرات

پر حرف گیری کریں۔ اور ہدف ملامت بنائیں۔

زائد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست در حق ما آنچه گوید جائے ہیج اگر لاف نیست

میرا مقصد ہرگز موجودہ دور کے خود ساختہ و نام نہاد بلکہ نقال پیروں کی تائید اور ان کے افعال بد کی توجیہ نہیں ہے جو صوفیاء کے لباس میں اپنی نااہلی و عاقبت فروشی کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کی استخوان فردشی کر رہے ہیں جن کا نہ سلسلہ طریقت صحیح و متصل ہے اور نہ جن کو اجازت و خلافت و جانشینی کی اصلیت و اہمیت کا بوجہ جہالت و نفسانیت علم ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ صوفیاء کرام نے کیا اصول و قواعد اس کیلئے مقرر و مرتب فرمائے ہیں جو صرف دعا و تعویذ کا پیشہ اختیار کر کے اپنی چرب زبانی و پر فریب باتوں سے اور بھوت پرست۔ آسیب جادو۔ ٹونا کی جھوٹی کہانیاں سنانا کر عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا رہے ہیں۔ "لاتا کلو ۱۱ موالکم بینکم یا باطل" (اے میں ایک دوسرے کا مال و غلو فریب سے نہ کھاؤ) کی خدائی تہیہ و تہدید سے اپنے کو دیدہ و دانستہ اندھا بنائے ہیں۔ دعا، تعویذ و اعمال کو بعض متاخرین صوفیاء نے صرف رفاہ عام کیلئے اختیار کیا لیکن اس میں بھی ان کو سخت مجاہدات کرنے پڑتے ہیں۔ جلب منفعت و تجارت ہرگز مقصد نہ تھا۔ ان چیزوں کو تصوف یعنی علم طریقت و معرفت و درویشی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ افسوس و شرم سے اس بات کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور کے بیشتر نام نہاد فقیر صوفی اپنے اسلاف کرام کے اصولوں کو پامال کر کے خود بھی مورد طعن و طنز بن رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔

پیرا ہن رنگیں سے شعلہ سا نکلتا ہے غافل ہیں وہ کیا جانیں دامن کہیں جلتا ہے

مگر یہ کلمہ بھی ماننا پڑے گا کہ "تصرف الاشیاء باصدا احدها" (یعنی اشیاء کی شناخت انکی ضد سے ہوتی ہے) اگر نقل نہ ہو تو اصل کیسے پہچانا جائے۔ اگر گفرنہ ہوتا تو اسلام کیسے پہچانا جاتا۔ اگر بدعا و برائیوں کا وجود نہ ہوتا تو اچھائیوں و نیکیوں کا لفظ بے معنی ہو جاتا۔

زیر نظر اوراق میری اسی نہید کا ایک ٹکس ہیں جو نقشبندیوں کے قافلہ سالار حضرت خواجہ عبید اللہ احمرآ کے حالات پر مشتمل ہے وہ بیک وقت بوریائیں فقیر بھی تھے اور صاحب اورنگ و سریر بھی۔  
سہ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جو شخص جھوٹ بول کر فریب دیکر دوسرے کا ل کھاتا ہے اس کی نماز روزہ کوئی بھی بھلا قبول نہیں ہوگی۔ وہ روزخ کے انگارے کھاتا ہے۔



واضح رہے کہ یہ وہی ممتاز اور عظیم المرتبت شخصیت ہیں جن کے سلسلہ میں آپ کے معاصر حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی نے اپنی ہر تصنیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان کی بزرگ شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کو خوب سراہا ہے۔ ان کی عظمت و جلال کا ذکر بڑی خود مداد کرو فرسے کیا ہے اور ان کو اپنا استاد اور مخدوم لکھا ہے۔ مثنوی تحفۃ الاحرار میں تحریر کرتے ہیں یہ

زود بہ جہاں نوبتِ شام منشی      کو کبہ فقر عبید اللہی  
اکہ زحریت فقر آگہ است      خوابہ احرار عبید اللہ است  
گشتہ ملائک مگس خوان او      راتبہ خوار از شکریستان او

تاریخ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بادشاہوں اور امراء کے حالات کو مکمل تاریخ کہنا اگرچہ اس علم کی جائز وسعت کو بے جا طریقہ سے محدود کر دینا ہے۔ جو تصنیفات دور ماضیہ کے حکمرانوں بادشاہوں کے حالات اور ان کے عہد کے چند حیرت انگیز واقعات تک محدود ہوں۔ مورخ کیلئے یقیناً کافی ہوتے ہیں اسی لئے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ذرائع سے تفتیش و تحقیق کر کے دنیا کے سلسلے تاریخ کا ایک حد تک مکمل خاکہ پیش کرے۔

صوفیاء کے ملفوظات اور تذکروں کا مطالعہ ایسے واقعات کیلئے نہایت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔ اس لئے کہ اکثر ایسے واقعات کا ان سے انکشاف ہو جاتا ہے جن پر اکثر و بیشتر مورخین نے توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ ملفوظات اور تذکروں سے روزمرہ کی زندگی کا طریقہ اور عوام کی معاشرتی و تمدنی ترقی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو علم تاریخ کا جزو اعظم ہے مگر ان تمام امور سے الگ ایک وجہ اور بھی ہے جس سے ملفوظات اور تذکرے تاریخی حیثیت سے انتہائی قابلِ قدر ہیں۔ فقرہ کی خدمت میں امیر و غریب۔ شاہ و گداہر ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں تھے۔ اور ضرورتاً بر سبیلِ تذکرہ بکثرت واقعات اور صحیح حالات و معاملات بیان کر جاتے تھے۔ جن میں سے اکثر ملفوظ نگار اور تذکرہ نویس نے محفوظ کر لئے۔ یہ واقعات عام طور پر تصنیف صحیح ہوتے تھے۔ اس لئے کہ غلط بیانی تو شے دیگر ہے۔ پیروم رشد سے تبلی کیکیات کا اخفا بھی اس عہد میں اعتقاد کی حیثیت سے گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔

سلاطینِ غلیبہ کے دور کا واقعہ ہے۔ سلطان جلال الدین غلیبی شہنشاہ ہند کے جاہ و جلال کا وقت تھا۔ حضرت امیر خسرو اس کے خاص معتمد تھے۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے قلب و نظر میں سمائے ہوئے تھے۔ ایک بار شہنشاہ نے بلا اطلاق حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ حضرت محبوب الہی بادشاہوں کی ملاقات سے حتی الامکان گریز فرماتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت امیر خسرو سے معلوم کر لیا کہ حضرت کس وقت مل سکتے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کر دی کہ میرے اس ارادے کی اطلاع خبردار حضرت کو نہ ہونے پائے۔ حضرت امیر خسرو کو اس وقت تو بادشاہ سے وعدہ کرنا پڑا مگر گھڑ بیچ کر عقیدت و محبت مرشدی نے سخت گیری کی۔ نفسِ نوا میں نے گرفت کی۔ اپنے محرم راز سے راز شاہی کا اخفا کچھ پسند نہ آیا۔ حضرت کی خدمت کی حاضر ہوئے اور بلا خوف بادشاہ کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ آپ وقت مقرر پر دہلی سے باہر تشریف لے گئے اور بادشاہ کو بالوس و دل گرفتہ واپس جانا پڑا۔ دوسرے روز جب امیر خسرو دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے سخت باز پرس کی اور پوچھا کہ یہ جرات تم نے کیسے کی؟ انھوں نے بلا خوف و ہمت لاکھ صاف صاف کہہ دیا کہ گھڑ بیچ کر دل نے ملامت کی کہ پیرو مرشد سے جو بادشاہ حقیقی کا منظر و مظہر ہے کچھ چھپانا نارماندی کا باعث ہوگا۔ بخلاف اسکے ظاہر کر دینے میں آپ کی ناراضگی و خفگی کا اندیشہ ہے جس سے صرف دنیاوی ہزا اور تکالیف جھیلنا پڑیں گی اسی لئے میں نے آپ کی خفگی کو بہت آسان سمجھا اور حضرت کو اطلاع کر دی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدت مندا مرار اور درباریوں کی زبان سے جن واقعات کا تذکرہ اپنے مقتدر علیہ صوفیاء کے سامنے ہوتا تھا ان کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں اسی لئے ملفوظات و تذکرے جس حد تک تاریخی واقعات کا پتہ دیتے ہیں ان کی شہادت بڑی قیہ اور قابل قدر ہے۔

زیر نظر تذکرہ کا ماخذ دراصل چار مخطوطات ہیں جن میں سے اصل ماخذ مقامات عالیہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (حصہ اول معروف بسلسلۃ العارفین و حصہ دوم تذکرۃ الصدیقین) ہے۔ یہ شیخ محمد قاضی خلیفہ خاص حضرت خواجہ صاحب کی تالیف ہے۔ یہ کتاب سمرقند کے شاہی کتب خانہ میں رہی ہے۔ دونوں حصوں پر شاہی کتب خانہ کی مہر ہے۔ ۵۹۰ھ پڑھا جاتا ہے۔ سنہ کتابت نہیں درج ہے۔ صفحات ۲۵۲۔ بخط خفی خوشخط۔

دوسرا ماخذ فقرات خواجہ عبید اللہ احرار ہے۔ صفحات ۱۲۷-۱۲۸۔ سطر ۱۷۔ بخط خفی خوشخط۔ یہ نسخہ حضرت شیخ محمد مصوم لاہوری خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شیخ عبید اللہ صدیقی (خال کبر حضرت شاہ صاحب) نے اپنے دوست خواجہ محمد امین ولی اللہی کی فرمائش پر شاہ صاحب کے سفر حج ۱۱۴۱ھ میں لکھ کر پیش کیا تھا۔

رشتات میں الحیات تالیف علی بن حسین الواعظ الکاشفی المشہر بالصفی۔ مالک ابن رشتا علی بن محمد نصیر الدین الحسینی الواعظ۔ ربائی ملاجائی درمدح "رشتات"

من تاحیة الوصال جت نفحات  
فارتاح فواحدنا بشم الفوحات  
دردادی ہجر تشنہ لب مریم  
آمد ز سحاب لطف جانان رشتان  
محمد علی بن محمد نصیر ۹۰۹ھ

یہ چھوٹی تقطیع میں ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں فہرست بھی درج ہے۔ جس میں صد ہا عنوانات قائم کئے ہیں۔ بہت خوشخط اور مطالعہ ہے۔ یہ نسخہ مولف کتاب کی ملک اور مطالعہ بھی رہا ہے جس پر ان کے دستخط اور مہر بھی موجود ہیں۔ ان کے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا وہ مذکورہ بالا قطع تاریخ بھی ہے جو راقم الحروف کی نظر سے اب تک کسی دوسرے مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ نسخہ میں نہیں گذرا۔

رشتات کا دوسرا نسخہ بہت خوشخط و مطالعہ و محشی بھی ہے۔ اور بہت صحیح ہے۔ یہ بھی یقیناً تاشقند یا سمرقند کے شاہی کتب خانہ کا ملک تھا۔ جو بعد کو دیگر امراء کے پاس پہنچتا رہا۔ اس نسخہ میں آٹھ عدد مہر بھی ہیں جن کو سیاہ روشنائی سے مٹایا گیا ہے۔ صرف ایک مہر پر ۹۱۰ھ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی سال تصنیف سے ایک سال بعد۔ نام نہیں پڑھا جاتا۔ دوسری مہر پر نام محمد نوٹ پڑھا جاتا ہے۔ سن نہیں پڑھا جاتا۔ آخری صفحہ پر ختم کتاب کے بعد ایک قرآنی آیت کا اعلیٰ کسی دوسرے کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں راقم نے لکھا ہے۔ "تمت رابع وجیب کتاب کے آخری صفحہ پر دو مہر ہیں اور میں وہ بھی سیاہ روشنائی سے مٹا دی گئی ہیں۔ علی قلم سے یہ عبارت ہے۔ "در ۹۲۰ھ دارالسلطنت تاشکند۔ نیچے کی مہر مٹی ہوئی ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے۔ "در تاریخ ۱۰۲۹ھ در دارالملک کابل بقیمت شش روپیہ خرید شد۔"

اکابر صوفیائے کرام کے ملفوظات کی بکثرت تعداد دستیاب ہوتی ہے۔ ہم اس وقت ان



میں سے صرف انہیں چار کو سامنے رکھ کر تبصرہ کر رہے ہیں تاکہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور و معروف بلکہ سرعقہ اولیائے عہد بزرگ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سمقندی کے تاریخی واقعات اور حالات ناظرین کے سامنے پیش کریں جن کو خاص طور بادشاہوں اور امار کی اصلاح کیلئے اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ ان کی ہی اتباع و پیروی حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لی۔ حضرت کے مفصل حالات۔ واقعات۔ ملکی خدمات سیاسی اثرات اور تعلیمات کی مکمل سوانح حیات کو ایڈٹ کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہوگا کہ پہلے ان کی تاریخی حیثیت ناظرین کے سامنے پیش کر دیں تاکہ واقعات کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اس موقع پر بھی بغرض تعارف یہ یاد دلادینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار وہی امیر الامار بزرگ ہیں جن کے نام سے حضرت مولانا جامی نے اپنی بیشتر تصانیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان آپ کی منقبت میں قائم کیا ہے۔ اور ۳۰ اشعار صرف ”یوسف وزینا“ میں نظم کئے ہیں جن میں سے یہ شعر ہے

چو قعر اندر قبائے شاہی آمد بہ تدبیر عبید اللہی آمد

بہت زباں زد ہوا ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے طریقتاً جد ہیں۔ تاریخی کی بہت سی کتابوں میں آپ کا تذکرہ ہے۔ بابر نے اپنے چچا سلطان احمد نیرا بادشاہ سمقند کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید تھے۔ بادشاہ مذکور کو اتنی بڑی سطنت آپ نے ہی اپنے تصرف و قوت یا طنی سے عطا فرمائی جس کا دلچسپ و مفصل واقعہ سلسلۃ العارین میں مذکور ہے۔ وہ حضرت کے سامنے نہایت درجہ کا ادب و احترام کا لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت کی محفل میں کبھی انھوں نے ایک زانو دوسرے زانو پر نہیں رکھا۔ تمام عمر میں اپنی عادت کے خلاف صرف ایک مرتبہ سلطان احمد بادشاہ کی محفل میں سر جوڑا۔ مؤدب بیٹھا۔ اس کے واپس جانے کے بعد حضرت کے اشارہ سے اسکی نشست کی جگہ دیکھی گئی تو وہاں ایک بڑی نوک دار بڑی ملی جس کی وجہ سے مجبوراً سلطان احمد کو خلاف معمول کرنا پڑا۔ وہ دو زانو نہ بیٹھ سکا۔ بادشاہ سلطان احمد کے باب سلطان ابوسعید مرزا کو بھی حضرت خواجہ سے نہایت عقیدت تھی۔ صاحب تاریخ حبیب السیر لکھتے ہیں کہ۔

سلطان ابوسعید ملکی اور نیرا کی معاملات

میں حضرت خواجہ عبید اللہ سے مشورہ کرتا تھا

سلطان ابوسعید کہ درخشیت امور ملک و

ملت پرستہ حضرت خواجہ مشورہ می کرد

وازعایت نیاز مندی گا ہے پیادہ برابر پیش  
اور نہایت نیاز مندی سے آپکی سواری کے ساتھ چل کر اپنی کمال عقیدت مندی کا ثبوت پیش کرتا تھا

رشتہات میں جہاں سونہ جانی کے اور متوفی استادوں کا ذکر ہے وہاں ان کے پیرو مرشد یعنی خواجہ ناصر الدین عبید اللہ سر نہرست ہیں۔ بے پناہ محبت و عقیدت کے رشتہ سے وہ اپنے آپ کو آخر عمر تک منسلک کرتے ہیں۔ علی اصغر حکمت اپنی کتاب "وسومہ بہ جامی" میں لکھتے ہیں کہ

"خواجہ ناصر الدین عبید اللہ خراسان اور ماوراء النہر میں طائفہ نقشبندیہ کے رہبر و مرشد اور مولانا جانی کے ہم عصر تھے۔۔۔۔۔ سلطان ابوسعید گورکان اپنے تمام ملکی معاملات ان کی ہی رائے اور ہدایت سے کرتا تھا۔ نیز ان کی ہی وساطت و شفاعت سے اس کو ہر کام میں قبولیت اور فتح حاصل ہوتی تھی۔ ایک بار محض خواجہ کے فرمانے اور پھر تقاضا کرنے پر سمرقند و بخارا کے لوگوں سے ٹیکس معاف کر دیا تھا۔"

جب اس نے اپنے دار السلطنت کو سمرقند سے ہرات منتقل کیا تو دوبار خواجہ کو خراسان سے تشریف لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ اسکی درخواست پر آپ پہلی بار ہرات تشریف لائے اور دوبارہ مرو۔ معین الدین اسفزاری اپنی مؤلفہ کتاب تاریخ ہرات میں آپ کے سفر کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ

"در افضان غریبہ عراق از باطن آفتاب اشراق  
حضرت ولایت پناہ خواجہ ناصر الدین عبید اللہ قدس سرہ  
طلب بختی نمود۔ و حضرت خواجہ از ماوراء النہر  
متوجہ خراسان شد۔ چوں بہ مرو رسید سلطان ابوسعید  
از مراسم عز و شرف تعظیم استقبال یک نکتہ  
نامرعی نہ گذاشت چنانچہ دو نوبت خواجہ بہ مجلس و  
می آمد۔ بعد از ساورہ و مشاورہ بسیار خاطر بہ عزیمت  
عراق قرار گرفت بہ حکم آئینہ کریمہ و ما قدامی نفس  
جب (سلطان ابوسعید نے عراق جانے کا عزم کر لیا تو حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ کو رباطن سے رہنمائی کا طالب ہوا۔ اس سفر سلسلہ میں آپ مشورے لئے عرض کیا آپ (اسکی عرضداشت پر) ماوراء النہر کو خراسان روانہ ہو جب مرو پہنچے تو سلطان ابوسعید باہر نکل کر تمام مراسم اعزاز و اکرام ادا کئے اور تعظیم استقبال میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا دوبار خواجہ ضا اسکی مجلس میں تشریف لائے۔ او با شام کو صلاح مشوروں کے بعد موافق حکم آئینہ کریمہ تدری نفس بای

تاریخ حبیب السیر جلد سوم۔ جز سوم صفحہ ۲۲۔ جامی  
علی اصغر حکمت۔ تہران (بہمن ما) ۱۳۲۰۔ چاخابا نکملی۔ ایران

ہای ارضی تموت ریات فرقد فرسابہ جانب  
عراق بہفت فرمود حضرت خواجہ سسرہ بہ طرف  
ماوراء النہر بہ سعادت معاشرت فرمود  
ارض تھو (نفس اس سحر عالم) کہ کس جگہ وہ انتقال کریگا  
اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ عراق کی جانب روانہ ہوا۔ اور حضرت  
خواجہ ماوراء النہر واپس تشریف لے گئے۔

مولنا جامی نے بھی سلسلۃ الذہب کے دفتر اول میں خواجہ کامر و تشریف لانا اور بادشاہ کا ان کی  
تعظیم و تکریم کرنا اور وہ نصائح جو اس سفر میں انھوں نے خود مولنا جامی کو کی تھیں نہایت مخصوص انداز  
میں نظم کیا ہے۔

خواجہ بندگان کار آگاہ  
رُوح النہر روح اسلافہ  
ثافت از التماس شاہجہاں  
چوں فرشتہ کہ انداز خوش آب  
الحق آل شاہ مسند ارشاد  
خبر از حال خویش تن می داد

اور اس نظم میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کی بارگاہ ارباب حاجت  
کی ملجاء و مادی تھی اور آپ ماوراء النہر و خراسان میں لوگوں کی مشکلات حل فرمایا کرتے تھے اور  
نیاز مندوں کی خواہش پر (بادشاہوں کو) خطوط وغیرہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

اہل حاجت چو حاجیاں یوست  
برده از جوئبار فضلیش بہر  
دست فیاضن او بہ رشح قلم  
صورت کلک او کلید نجات  
رقعہ او بہر کہ شد واصل  
باشد آن چوں نشان شاہ شجاع  
ساخت حکم شریعت و دیں را  
زده در حلقہ در او دست  
چہ خراساں چہ ماوراء النہر  
شستہ از لوح ملک حرف ستم  
معنی خط او کفیل حیات  
آیتے یافت ز آسماں نازل  
مایہ دفع ظلم و رفع نزاع  
طوق کردن ہمہ سلاطین را



سعیش از ذیل دیں برائے درست دارغ تمغا و لوٹ پر غوثیت  
 آری او ہست ابر رحمت بار ابرداشت و شوئے باشد کار  
 اپنی مثنوی تحفۃ الاحرار میں جاتی نے اپنے انتساب کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور  
 ایک قطعہ میں خواجہ صاحب کے ان اقدامات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو انھوں نے سیکس وغیرہ کے  
 منسوخ کے سلسلہ میں کئے ہیں اور مظلوموں کی شان ان وقت سے حمایت کی ہے

دادہ چو نم کلک گہر ریز را شمسہ نامہ چنگیز را  
 خامہ او کردہ ز نسخ زقاع مخط نامہ ظلم از بقاع  
 رقعہ او نور دہ ہر سو اد بقعہ او ثانی خیر البلاد  
 حلقہ اصحاب کہ گرد و بند بہرہ دراز ذکر زور و دیند

اپنی شہرہ آفاق کتاب "نفحات الانس" میں سلسلہ نقشبندیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اشعار تحریر  
 فرماتے ہیں اور ان اشعار سے مخاطب دراصل خواجہ عید اللہ ہی ہیں

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند کہ برنداز رہ پنہاں بحر م قافلہ را  
 از دل سالک رہ جاذبہ صحبت شاں مایہ برد و سوسہ خلوت و فکر چلہ را  
 قاصرے گزند ایں طائفہ را طعن قصور حاش للہ کہ بر آرم بہ زباں ایں گلہ را  
 ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بکسلہ ایں سلسلہ را

(ترجمہ) یعنی حضرات نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ باطن کی راہ سے پورے قافلہ کو حرم ذات  
 تک لے جاتے ہیں۔ ان کی صحبت کے جاذبہ سے سالک کے دل سے خلوت اور چلہ کشی کی فکر کے وسوسے  
 محو ہو جاتے ہیں (یعنی وہ خلوت اور چلہ میں اپنے پیرو مشد کے حضور کی بدولت کسی وسوسہ میں نہیں  
 پھنستے) اگر کوئی اعتراض کرنے والا اس طائفہ پر طعن کرے تو میری زبان پر اس کا کوئی گلہ آئے  
 گا۔ سارے قلندر ان عظام یا انسان کامل اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ لومڑیاں اپنے مکر سے  
 اس سلسلہ میں کیسے دخل انداز ہوں گی۔

اگرچہ شہنشاہ بابر کے بچپن میں ہی حضرت خواجہ صاحب کی وفات ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اپنے  
 بزرگوں کے ادب و احترام اور عقیدت کے باعث قدم بہ قدم اسکو بھی آپ سے نہایت درجہ عقیدت

تھی۔ شاہانِ مغلیہ سب ہی آپ کے اور آپ کے جانشینوں کے معتقد رہے۔ چنانچہ بابر نامہ میں ۴ نومبر ۱۵۲۸ء روز جمعہ کے واقعات میں بابر لکھتا ہے کہ ”ایک بار میرے جسم میں اس قدر حدت بڑھ گئی تھی کہ میں جمعہ کی نماز بڑی مشکل سے پڑھ سکا تھا۔ ۲۷ صفر بروز منگل کو میں نے یہ منت مانی کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں اور میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر حضرت کی توجہ روحانیت سے مجھ کو صحت ہوگئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری یہ نظم بابر کا عبید اللہی میں اسی طرح مقبول ہوئی ہے جیسی صاحبِ قصیدہ بردہ کی۔ کہ قصیدہ بردہ کی مقبولیت کے انعام میں ان کو لقوہ و فالج سے صحت ہوگئی تھی۔ چنانچہ میں نے مولانا جامی کی سبجۃ الاحرار کے وزن پر نظم کرنا شروع کر دیا۔ گزشتہ سال ایک مہینہ یا چالیس روز گرفتار رہا تھا مگر اس سال خدا کی عنایت اور حضرت کی توجہ سے مجھ کو ۲۹ صفر روز چہار شنبہ کو چھٹکارا مل گیا صرف معمولی سا کسل باقی رہا۔

### رشحات اور سلسلۃ العارفین

تاریخ کی کتابوں سے حضرت خواجہ کے متعلق ہم کو ایسے جستہ جستہ حالات ملتے ہیں۔ آپ کی مفصل سوانح حیات اور ملکی و سیاسی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہم ملفوظات کا بغور مطالعہ کریں۔ بابر نامہ کی مترجم سنز بو برج نے بھی غالباً اسی وجہ سے آپ کے صرف مطبوعہ ملفوظ یعنی رشحات کا مطالعہ کیا تھا جو اسکو دستیاب ہو سکا ہوگا اس نے اپنے ترجمہ بابر نامہ میں اس سے جا بجا نوٹ بھی لئے ہیں۔ رشحات مطبوعہ صورت میں ۳۶۰ صفحہ سے زائد کی کتاب ہے۔ صرف حضرت خواجہ کا ملفوظ نہیں ہے بلکہ اسمیں عام طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے بیشتر بزرگوں کے حالات ہیں۔ ملا فخر الدین علی بن حسین الواغظ الکاشفی (یعنی خلف الصدق مصنف انوار سہیلی) اس ملفوظ کے جامع ہیں۔ سبب تالیف یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے آستانہ پر آخر ماہ ذیقعد ۸۹۹ھ اور اوائل ماہ ربیع الثانی ۸۹۳ھ میں صرف دو مرتبہ وہ حاضر ہو سکے۔ روزانہ جو کچھ آپ کی زبان سے سنتے اسکو اپنے دماغ میں محفوظ کر لیتے اور پھر گھر آکر لکھ لیتے تھے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد اس روزنامہ کی ترتیب شروع کی تاکہ مفارقت کی تکلیف آپ کی یاد سے کم ہو جائے اور دوسروں کو بھی استفادہ کا موقع ملے مگر یہ ملفوظ اپنی موجودہ حالت میں سولہ برس بعد مرتب ہو پایا۔ چونکہ اصل غرض حضرت خواجہ کے حالات کے بیان سے تھی اس لئے بعض بزرگان نقشبندیہ

کے کرامات اور ارشادات کے ساتھ بعض دیگر خاندانی حالات بھی اس میں اضافہ کئے گئے۔ کتاب کے خاتمہ پر ایک فارسی تاریخ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رشحات تاریخی نام ہے۔

یابند محاسبان سنجیدہ صفات تاریخ تماش زحروف رشحات

رشحات مطبوعہ میں کتابت کی اتنی زائد غلطیاں ہیں کہ بعض جگہ تو عبارت کا صحیح مفہوم لینا ممکن ہی نہیں۔ رشحات میں دو مزید ملفوظات کا حوالہ ملتا ہے جن سے ہی مولف مذکور نے مدد لی ہے۔

حضرت خواجہ کے مخصوص خلفاء و اصحاب کے حالات میں حضرت مولانا محمد قاضی کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف رشحات لکھتے ہیں کہ مولانا نے حضرت خواجہ کے مناقب میں دو کتابیں تالیف کی ہیں ایک کا نام سلسلۃ العارفین اور دوسری کا تذکرۃ الصدیقین ہے۔ ہر دو کتابیں مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے نادر الوجود ہیں۔ راقم الحروف کو وہ دونوں کتابیں حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر صاحب قلندر قبلہ مدظلہ العالی نے مطالعہ کیلئے مرحمت فرمائیں اور حکم دیا کہ ان کو بغور مطالعہ کر کے شائع کر دو ان کے ہی ہمت اور شوق دلانے پر نیز ان کی ہی اعانت اور علم کا مدد سے یہ تذکرہ مرتب ہوا۔ چونکہ کتاب پر مصنف کا نام ہے اور کتاب کا نام درج نہیں ہے اس لئے یہ خیال ہوا کہ رشحات سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ رشحات میں حضرت مولانا محمد قاضی عبداللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

حضرت مولانا محمد قاضی خواجہ کے جلیل القدر اصحاب میں ہیں۔ انھوں نے حضرت خواجہ کے فضائل مناقب میں دو کتابیں تالیف کی ہیں جن کا نام سلسلۃ العارفین اور تذکرۃ الصدیقین ہے۔ انہیں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت کا خد میں میری حاضری کی ابتداء ہوئی کہ کرمان کے ایک لب علم مولانا نعمت اللہ کے ساتھ سمرقند سے ہرات جانے

حضرت مولانا محمد قاضی اجل اصحاب حضرت ایشا در منار و شمائل و خصائص و فضائل آں حضرت کتابہا تالیف کردہ اندر مستحی بہ سلسلۃ العارفین و تذکرۃ الصدیقین در آنجا آوردہ اند کہ ابتداءئے ملازمت من حضرت ایشاں آں بود کہ طالب علم کرمانی مولانا نعمت اللہ از سمرقند

۱۔ حضرت خواجہ صاحب کے حالات جن جن کتابوں میں دیکھے ان سے علم ہوا کہ سب کا اصل ماخذ یہی مجموعہ "سلسلۃ العارفین و تذکرۃ الصدیقین" ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے خلیفہ و داماد میر عبدالاول نے بھی ایک رسالہ "مسموعات خواجہ عبید اللہ" امر از زیر فرمایا تھا اس کا بھی ماخذ یہی مجموعہ ہے۔





شدند و انچہ بہ خاطر مابود ہمہ را اظہار کردند۔ از انجلہ  
(سنخے بود) کہ فقیر را سرگشتہ ساختہ ازین ولای می برد  
آن را برو جہے کردند کہ خاطر فقیر بجا ایشان قوی نگردد  
منجملہ ان باتوں کے ایک با ایسی تھی جو فقیر کو پریشان  
کئے ہوئے تھی اور شہر شہر پھرا رہی تھی اس کا اپنے اس اظہار  
فرمایا کہ میرا دل آپ کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گیا۔  
سوائے چند الفاظ کے تغیر و تبدل کے بعینہ وہی عبارت ہے اس کے بعد حضرت مولانا محمد  
قاضی جامع ملفوظات کے مزید حالات کی تلاش ہوئی۔ اگرچہ مولفہ رشتہات نے مختصر حالات لکھے  
ہیں لیکن اس سلسلہ میں چند واقعات ”بابر نامہ“ اور ”حبیب السیر“ کے مطالعہ سے بھی دستیاب ہوئے۔  
یہی حضرت خواجہ مولانا محمد قاضی ہیں کیونکہ اس نام کا خواجہ عبید اللہ احراء کے مخصوص خلفاء و اصحاب  
میں آپ کے ہوا دوسرا نہ تھا۔

ان کا اصل نام عبد اللہ تھا اور یہ حضرت خواجہ عبید اللہ احراء کے مرید و خلیفہ خاص  
تھے اور انہیں کے تربیت یافتہ بھی تھے۔ آپ حضرت خواجہ صاحب کے آخر عہد میں تو اٹھارہ سال  
شب و روز خلوت و جلوت میں حاضر رہے اور حضرت کے حکم سے ہی ان کے حالات اور چشم دید  
واقعات اور ارشادات قلمبند فرماتے رہے ہیں۔ گلزار ابرار میں حضرت ملا محمد غوثی تحریر فرماتے  
ہیں کہ ”حضرت خواجہ صاحب جب حقایق و معارف بیان فرماتے تو اصل مخاطب حضرت مولانا محمد  
قاضی ہوتے تھے۔“ اس میں شک نہیں کہ آپ ولی کامل تھے کیونکہ آپ کے قتل میں سعی و کوشش  
کرنے والے اور قاتل چند ہی دنوں میں نیست و نابود ہو گئے۔

بابر نامہ میں ایک جگہ تو سمرقند کو پہلی مرتبہ چھوڑ کر آنے کے بیان میں شہنشاہ بابر نے  
لکھا ہے کہ میرے استاد اور پیر حضرت مولانا محمد قاضی کے خطوط آئے جن میں سمرقند واپس آنے  
کی فرمائش تھی اور دوسری مرتبہ اپنے لشکر کے چند پہنچنے اور دشمنوں کے اند جان پر قابض ہونے  
کے واقعات میں تذکرہ کرتے ہوئے بابر لکھتا ہے کہ :-

”آہ۔ دشمنوں نے میرے حضرت خواجہ و مولانا قاضی کو شہید  
کر ڈالا اور بڑی بے حرمتی سے ان کی لاش قلعہ کے دروازہ پر لٹکائی  
گئی۔“

تاریخ حبیب السیر میں بھی یہ واقعہ اسی نوعیت سے درج ہے جس کے چند الفاظ نقل کئے جاتے ہیں:-

”خواجہ مولانا قاضی راکہ موسوم بہ عبداللہ بود“  
 و بدستور مہود در دو خواہی حضرت یاد شاہی سخی  
 خواجه مولانا قاضی جو عبداللہ کے نام سے موسوم تھے  
 اور بادشاہ کی خیر خواہی میں ہمہ وقت کوشاں  
 می نمود و بردبارک شہید ساختند حالانکہ  
 رہتے تھے قلعہ کے دروازے پر شہید کر دیئے  
 آنحضرت از جملہ یافتگان حضرت ولایت پناہ  
 گئے..... حالانکہ وہ حضرت  
 خواجه ناصر الدین عبید اللہ احرار کے خاص تربیت یافتہ تھے۔  
 تاریخ کی کتابوں سے صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد قاضی حضرت خواجہ صاحب کے  
 جلیل القدر خلفاء و اصحاب میں سے تھے۔ ان کا جامع ملفوظات ہونا ہم کو علاوہ ”کلزار ابرار“ ”بجز خاں“  
 ”رشتات“ اور اب آپ کے ملفوظات سے معلوم ہوا۔ دوسرے حصہ موسوم بہ ”سلسلۃ العارفین“ کے  
 ایک حصہ کے خاتمہ پر اس عبارت کا موجود ہونا

”و جمع من ہو مقبول و منظور لخصوة العالی..... المشہور بین الخلائق..... لمولانا محمد قاضی“  
 اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ یہ وہی بزرگ ہیں۔ ان کی شہادت کا واقعہ ”رشتات“ میں نہ ہونا باطل  
 ترین قیاس ہے اس لئے کہ ”رشتات“ کے مرتب کرنے کے وقت وہ یقیناً زندہ تھے جیسا کہ ان کے  
 حالات کی عبارت سے پتہ چلتا ہے شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر نے ”بابر نامہ“ بعد کو لکھا ہے تاریخ  
 حبیب السیر جلد دوم جزو سوم صفحہ ۳۴ پر بابر کا خواجہ صاحب کو خواب میں دیکھنا اور ان کے اشارہ پر  
 سمرقند کو فتح کرنے کا واقعہ بھی بڑے شد و مد سے لکھا ہے۔

# احرار

انسان کی فکری ارتقاء کیلئے زندگی کے ہر موڑ پر - قید و بند کی ہر کڑی پر مبصر - مفکر - دانشور - اور مذہبی رہنما کی ضرورت ہے جو گوشہ عزلت میں رہ کر کارہائے نمایاں دے اور اپنی اشاعت و شہیرہ چاہنے کے باوجود بھی نہ صرف عہد ساز بن جائے بلکہ اسکی ہر آواز زمانہ قدیم و جدید کیلئے صدائے وقت اور نوائے سر و ش بھی بن جائے اور صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اس کے کارنامے کالوں میں جلتے رنگ بن کر گونجتے رہیں اور وہ عہد ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا سے یکسر عاری ہو اور دقیق مسائل - پُر تپج مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اسکے دامن سے تمسک لابی ہو - ایسا ہی شخص صحیح معنوں میں قیادت کا اہل - اسلام کا امین اور قومیت کی تعمیر کا اصل عنصر ہے اور اسکی باعمل زندگی ہر حیثیت سے دوسروں کیلئے قابل تقلید ہے -

تاریخ عالم کے وسیع و عریض مطلع فلک پر ہزاروں کواکب تاباں و درخشاں ہوئے - کہیں پر عقد ثریا کا جھرمٹ کہیں ماہ تاباں کی خنک اور جانفزا چاندنی - کہیں قطب ستارہ کا استحکام اور اس کا اپنے مسلک پر ڈٹے رہنا اور گم کردہ راہ انسانوں کی اور جہازوں کی رہنمائی کرنا یہ وہ تمثیلی حقیقتیں ہیں جو کشتگانِ خیمہ تسلیم اور جاں دادگانِ حسن ازل پر بھی صادق آتی ہیں - فلک و ازل پر اور آسماں کے نیلگوں بساط پر جو نقش و نگار اور طلسم آرائی ہے وہی کارخانہ عالم میں بھی بصدر حسن و رعنائی جلوہ نما ہے - تقدیروں کے پلٹنے والے - دلوں کی دنیا بدلنے والے عشق و حسن سے ربط خاص پیدا کرنے والے - نیاز کوناز کی مسند قبولیت پر بٹھانے والے - آئے چمکے - دمکے - لہکے اور دلوں کو چمکا کر اپنی ذات کے حسن سے ذرہ ہائے خاک راہ کو جمال ہم نشینی سے جمیل بنا کر اپنا مقصد اعلیٰ اور اقدار بلند کو دلوں میں جاگزیں کر کے جہاں اور جہانیاں عالم کو فنا میں بقا کی خلعت عطا کرتے ہوئے ذاتِ حق سے واصل ہو گئے - ان کی مبارک و مقدس زندگیاں زبانِ حال سے یہ کہتی ہوئی نظر تصور کو آئینہ حیراں بنا رہی ہیں کہ

حاصل عمر نثار رہا رہے کردم شادم از زندگی خویش کہارے کردم



وہ نفوس قدسیہ جو اس جہان آب و گل کے جانہائے تمنا رہے ان میں مولانا روم ہیں جن کی مثنوی بہت قرآن در زبان پہلوی ہے۔ فرید الدین عطار ہیں جن کی مثنوی ”منطق الطیر“ ہے۔ مولانا جامی ہیں جن کی ”یوسف زلیخا“ ہے۔ امیر خسرو ہیں جن کی ”لیلیٰ مجنوں“ میں خفایق و معارف اور پند و نصائح کے وہ رموز و نکات ہیں جنہوں نے مردہ دلوں میں جان تازہ ڈال دی ہے۔ ان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں جو نائب رسول بن کر اس ظلمت کدہ عالم میں آئے اور اپنے نورِ عرفان سے ہزاروں دلوں کی قلب ماہیت کر کے بقعہ نور بنا دیا۔ شاہی اقتدار کی کلائی مروڑ کر رکھ دی اور تن تنہا اس جہاں کا بیڑا اٹھایا جس نے تاج شاہی کو خاکِ مذلت پر سرنگوں کر دیا۔ بادشاہ وقت کو عارفِ کامل بنا دیا اور اپنے کرامات اور اخلاقی حسنہ سے دل موہ لئے۔ انہیں عارفانِ کامل کے چمنستان اور گلشنِ رنگیں میں ایک بزرگ ہستی گلِ سرسبد کی طرح کچم عدم سے منصفہ شہود پر بعد آب و تاب جلوہ نما ہوئی۔ جس نے خود گری۔ خود نگری اور خود شکنی کے تمام مراحل طے کئے اور جریدہ عالم پر نقشِ دوام ثبت کر گئی۔ ہاتھ غیب نے اولئک ہم الوارثون کی ندادی بشر المؤمنین کا حکم دیا اور اولئک ہم المقربون فدوح وریحان وجنة نعیم کی بشارتِ عظمیٰ سے سرفراز اور علمناہ من لدنا علما کی خلعتِ فاخرہ سے مزین فرمایا۔ یہ تھے خواجہ ناصر الدین عبید اللہ۔ احراریوں کے قافلہ سالار۔ نقشبندیوں کے روح رواں۔ عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکن۔ اور اقلیم ولایت کے تاجدار۔

زیر نظر سطور لکھنے سے قبل لفظ احرار کی وجہ تسمیہ کو بھی واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ ناظرین اسکی اہمیت سے لاعلم نہ رہیں چنانچہ جدید تقاضوں کے پیش نظر احرار کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے علاوہ روحانی مفہوم کو بھی تحریر کیا جاتا ہے۔

لفظ احرار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مقاماتِ سلوک میں ایک مقام حفظ العہد ہے (یعنی عہد کی پابندی) اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے ”ہو الوقوف عند ما حدة اللہ تعالیٰ لعبادہ“ (یعنی اس مقام پر ٹھہرنا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے محدود کر دیا ہے) اور حفظ کی دو قسمیں ہیں ایک حفظ عہد الربوبیۃ (یعنی ربوبیت کے عہد کی پابندی) دوسری حفظ عہد العبودیۃ (یعنی عبودیت کے عہد کی پابندی) ربوبیت کے عہد کی پابندی کا مطلب یہ ہے کہ تمام

کمالات رب کی طرف منسوب کئے جائیں اور عبودیت کے عہد کی پابندی یہ ہے کہ تمام نقصانات بندہ کی طرف منسوب کئے جائیں جیسا کہ قرآن پاک کی تعلیم ہے کہ "مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا بِكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ"۔ (یعنی اے میرے بندے اگر تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر نقصان پہنچے تو یہ سمجھ لے کہ یہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) اور وہی وہ عہد تھا جس کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام نے رہنا ظلمنا انفسنا کہہ کر کی جب ان سے ان کے رب نے اپنے فاعل حقیقی ہونے کی دلیل پیش کی۔

جس وقت موعدا اور باصفا صوفی میں اذکار و اشغال اور ریاضات و مجاہدات کی بدولت حفظ العہد کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے آثار اسکے احوال و عادات اور اوقات کا احاطہ کر لیتے ہیں تو حکمت اجمالی کا جمال اسکی چشم بصیرت کو نظر آنے لگتا ہے۔ اور حکمت اجمالی سے مراد ہے "ہی العلم بحقایق الاشياء و اوصافها و احكامها علی ما علیہ و ارتباط الاسباب بالمسبب و اسرار النظام الموجودات و العمل بمقتضاہ" (یعنی اجمالی حکمت کے مفہوم میں امور ذیل داخل ہیں۔ اول اشیا کی حقیقت اور ان کے اوصاف و احکام کا علم جیسی وہ ہیں دوم اسباب کا سبب کے ساتھ ربط کا علم۔ سوم اس بات کا علم کہ نظام موجودات کس طرح منضبط ہے۔ چہارم علم کے مقتضا کے مطابق عمل کرنا۔ اور من یؤتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا کے مطابق حکمت مذکور کی مفصلہ ذیل چاروں قسموں پر بھی صوفی کو اطلاع دی جاتی ہے یہ چاروں قسمیں ترتیب وار خیر کثیر میں داخل ہیں۔ پہلی حکمت حکمت منطوق ہے

الحکمة المنطوق وہی علوم الشریعة والطریقة۔ یعنی جس حکمت کے سلسلہ میں کلام کیا جا سکتا ہے وہ شریعت و طریقت کے علوم ہیں۔

دوسری حکمت :- الحکمة المسکوت عنہا وہی اسرار الحقیقة۔ یعنی وہ حکمت جس کے سلسلہ میں سکوت اولیٰ ہے وہ حقیقت کے اسرار ہیں۔

چونکہ استدلال و تقلید اور منطقی روش گائیوں میں الجھے اور گرفتار لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور عقل کے معیار پر اس کو پرکھتے ہیں اور عقل کے چراغ سے خدا کی راہ نظر نہیں آتی لہذا اس سلسلہ میں کلام کرنے کے مقابلہ میں سکوت زائد بہتر ہے۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

کے ایک راستہ سے اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے اثنائے راہ میں ایک عورت سامنے آئی اور آپ کو قسم دیکر معصیاتیہ کے اپنے گھر تشریف لیچنے کو عرض کیا۔ آپ وہاں گئے دیکھا کہ ایک آگ بھڑک رہی ہے اور اس عورت کے بچے اس آگ کے ارد گرد جمع ہیں اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر زائد مہربان ہے یا میں اپنے بچوں پر۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زائد رحیم ہے (تجہ سے) بلکہ جتنے رحم کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سب سے زائد رحم کرنے والا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے کسی بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارا کروں گی اور اگر میں گوارا نہ کروں گی تو اللہ کیسے اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے غلاموں اور بندوں کو آگ میں ڈال دے وہ تو رحم الراحمین ہے۔“ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر رو دیئے اور فرمایا کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی وحی آئی ہے (یعنی سبقت رحمتی علی غضبی)

تیسری حکمت حکمت مجہولہ ہے اور وہ ایسی حکمت ہے جس کی وجہ ہم لوگوں سے مخفی ہے جیسے بعض بندوں کی تکلیفات۔ اطفال کی موت۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ اس حکمت پر ایمان لانا اور اسکے وقوع پر راضی رہنا اور اسکو عدل اور سراسر حق سمجھنا نسخہ ایمان کا جزو اعظم ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا واجب اور عین ایمان ہے۔

چوتھی حکمت حکمت جامعہ ہے اور اس میں یہ باتیں داخل ہیں (۱) حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنا۔ (۲) باطل کی معرفت اور اس سے اجتناب (پیرہیز) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللھم اہربنا الحق و اہربنا اتباعہ و اہربنا الباطل و اہربنا اتباعہ انک عجیب الدعوات (اے اللہ ہم کو حق دکھا اور اس کا اتباع نصیب کر اور ہم کو باطل کا علم دے اور اس سے بچا بیشک تو دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے)

اس ساری تمہید کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مرتبوں کے تحفظ کا ملکہ اور چاروں حکمتیں حاصل ہونے کی بدولت صوفی مذکور حجتہ الحق علی الخلق ہو جاتا ہے جس سے مراد انسان کامل ہے اور مرتبہ خلافت پر فائز ہو کر حریت کا لباس پہن لیتا ہے اور حریت کے لغوی معنی آزادی کے ہیں اور حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں حریت سے مراد ہے غیر کی غلامی سے آزاد ہونا ہے ہی الاطلاق عن

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود      زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است  
 اور حریت کی بھی تین قسمیں ہیں پہلی حریت عامہ یعنی خواہشات نفسانی سے رہائی پانا۔ دوسری  
 حریت خاصہ یعنی اپنے مقاصد و مرادات سے آزاد ہو کر حق کے ارادہ میں فانی ہو جانا۔ ثلث  
 ارادة العبد فی امر اذ الحق تیسری حریت خاص النخاصہ یعنی سالک کو جو اوار و تجلیات میں  
 اپنے کو ہلاک کر دینے کی آرزو اور اس کے لوازمات و آثار سے دبستگی رہتی ہے اس سے بھی نجات  
 و رستگاری پانا ہے      نامرادی کی بھی طلب نہ ہے      یہی پایان نامرادی ہے  
 اب صوفیاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو شے محض بخشش الہی سے قلب پر وارد ہوتی ہے جیسے  
 غلامی۔ آزادی۔ غم۔ خوشی۔ قبض۔ بسط وہ شے نفسانی صفات کے ظہور سے زائل ہو جاتی ہے  
 خواہ اسکے عقب میں میلان ہو یا نہ ہو۔ یہ چیز اگر دوام کے ساتھ قائم ہو تو اسکو مقام کہتے ہیں جس  
 پر بقدر مشیت سالک قیام کرتا ہے۔

اس سب سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چاروں مذکورہ بالا حکمتوں اور بیہوشیوں حریتوں کا بیک وقت  
 ایک ہستی میں اجتماع اور اس مقام پر فائز ہونے کا نام انسان کامل ہے کامل وہ نہیں ہے  
 جو صرف کشف و کرامات میں کامل ہو بلکہ کامل وہ ہے جسکی ہر بات بروجہ کمال ہو۔ حکمت سے  
 تصوراتی دنیا کا تفکر مراد ہے تصورات کی دنیا میں بھی حقیقت کے متعدد درجے ہیں سب سے اہم  
 تصور خیر اعلیٰ کا نام ہے خیر اعلیٰ کی بھی متعدد اقسام ہیں یعنی عدل۔ شجاعت۔ اعتدال۔ سخاوت  
 تواضع۔ فروتنی۔ اور ایثار وغیرہ وغیرہ۔ یہی خیر اعلیٰ ہر زندگی کا نصب العین۔ ہر نیکی کا سرچشمہ ہر اچھائی  
 کا محرک اور ہر تصور کی جان ہے ایک پیشوا کی زندگی انھیں سب کا خلاصہ ہے اور اسکے لئے ہر قریح و محمل  
 پر اس سب کا تحفظ اور رکھ رکھاؤ ضروری ہے یہی مذہب کا منشاء۔ فطرت انسانی کا مقتضا اور  
 سنت رسولؐ کی پابندی ہے۔ یہی مقاصد انسان کو مقصود اصلی تک پہنچانے والے ہیں اور اسے  
 صفات الہی سے متصف کر کے آیت صفة اللہ ومن احسن من اللہ صفة کا منظر جامع بنا  
 دیتے ہیں بقول شاعر

رنگ لایا ہے یہ ضبط الفت گیسوئے دوست      آخر اپنے پیر ہن سے بھوٹ نکلی بوسے دوست  
 یہی وہ مقام ہے جہیں ذات حق کے اختیارات فانی فی اللہ اور باقی باللہ انسان کو تقویٰ ہو جائے



ہیں جس کا اظہار قرآن کریم ان الفاظ میں کرتا ہے کہ وَمَا تَرَامِيت اِذْ رَامِيت وَلٰكِنْ اللّٰهُ سَمِیٌّ یَّحِیُّ  
 مَحْبُوبٌ کی ادائیں اور اسکی مشیتیں حبیب و محبوب کے وسیلہ سے بروئے کار آتی ہیں۔  
 کَفَّةٌ اَوْ كَفَّةٌ اللّٰهُ بُوَدْ گرجہ از حلقوم عبد اللہ بُوَد

اسی سلسلہ میں قرآن کریم میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقام قلاب تو سین اد ادنیٰ ہر فائز ہونے  
 کے بعد عبد کا خطاب ملتا ہے جو انسانیت کی معراج ہے اور مقام رسول الہی کے بعد یہ مقام  
 عبدیت عنایت فرمایا جاتا ہے جو اپنی جگہ مانع اور جامع ہے۔ یہ اللہ کا اپنے بندوں پر بہت  
 بڑا احسان ہے کہ اس قرب و اتصال کے بعد عالم انسانیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے  
 لئے محبوب سے بُعدیت اور مفارقت گوارا کی گئی۔ اور ہر آزادی کچھ قیود اور پابندیوں کی بھی  
 متقاضی ہے۔ آزادی کھلی چھوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کچھ زنجیریں بھی ہیں جو اس آزادی  
 کو موثر اور اثر انگیز بنا دیتی ہیں۔ اس جگہ یہ حدیث شریف شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا ”جو ابتلا مجھ پر ڈالی گئی وہ زمانہ سابقہ میں مجھ سے پہلے کسی پیغمبر پر نہیں ڈالی گئی  
 کہ ایک طرف تو مجھے سارے عالم کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں تو دوسری طرف مجھے ایک ہی  
 کا قرضدار بھی ہونا پڑا۔“

جنوں کی جامہ دری اور خرد کی بخیگری تمام عالم مستی۔ تمام بے خبری  
 اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے آزاد ہونا انسان کی آخری منزل ہے اور وہ  
 آدمی جو شان بے نیازی اختیار کرتا ہے اور خلق کے احسانات سے دور دورہ ہونے کی کوشش  
 کرتا ہے وہی اپنی بے مثال جرأت و ہمت اور روحانی طاقت سے اسکی۔ اخلاقی ذہنی اور  
 روحانی تربیت کر سکتا ہے۔ اور یہ تمام مواقع وافر مقدار میں خواجہ عبید اللہ احرار کو حاصل  
 تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کا رعب و داب بادشاہوں کو بھی مرعوب کئے رہتا تھا۔ وہ دینی  
 مال و منال رکھتے ہوئے بھی بایں معنی بے نوا تھے کہ ان کا دل محبت الہی کی لازوال دولت  
 سے مالا مال تھا۔ جیسے مال کی ہوس کا کہیں گذر نہیں تھا۔ وہ ان خاصانِ خدا میں تھے جن  
 پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

بہ ساز بے نوائی ہمہ سوز بے نیازی دل شاہ لہزہ گیر دگر گدائے بے نوائے

# سوانحی حالات

خواجہ ناصر الدین عبید اللہ لفظ احرار سے نامزد تھے۔ لفظ احرار کی مکمل تشریح سابقہ اوراق میں گذر چکی ہے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ محمود ابن خواجہ شہاب الدین شاشی تھا اور وہ خواجہ محمد نامی کے پوتے تھے جو متبحر عالم ابو بکر محمد بن اسمعیل قضا شافعی کے دوستوں میں تھے۔ شیخ ابو بکر کا کشفی و کسی علوم میں کوئی ثانی نہ تھا۔ احرار الاولیاء کی والدہ ماجدہ خواجہ داؤد ابن خواجہ خاوند ظہور ابن شیخ عمر باغستانی کی صاحبزادی تھیں ان کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے امام عبداللہ ابن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے

۱۔ شیخ عمر باغستانی کے ایک گاؤں کے باشندہ تھے (تاشقند کے پہاڑوں میں سے) آپ کا سلسلہ واسطوں سے فرزند حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کے جدِ مادری اور قطب الاولین شیخ مجذوب محبوب شیخ حسن بلغاری کے مرید اور ان کے اصحاب میں تھے اور وہ شمس الدین محمد رازی کے اور وہ شیخ حسن سقاوی کے اور وہ شیخ ابو نجیب سہروردی کے مرید تھے۔ شیخ حسن دراصل آذربایجان کے ایک قصبہ نخوان کے باشندہ تھے۔ ۲۳ سال کی عمر میں دشت قیچاق میں کفار کے پائے پڑ گئے۔ اور سات سال قید رہے۔ تیس سال کی عمر میں سیاحت کو نکلے۔ اور بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ ۹ سال بلغاری میں تین سال بخارا میں۔ سات سال کرمان میں۔ ۹۳ سال کی عمر پائی۔ فرماتے تھے کہ میری قطبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر واقع ہوئی ہے۔ اور جذبہ کے روز سے میری عمر حضور کی حیات طیبہ کے موافق ہوگی۔ یعنی ۶۳ سال کی۔ شیخ عمر باغستانی نے شیخ حسن سے تین سال نکائیں رہ کر تعلیم و تلقین حاصل کی۔ وہ نہایت صاحبِ کمال و مقام تھے۔ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوتا اس سے پوچھتے کہ تمہارے گاؤں میں کوئی مسجد ہے اگر وہ جی ہاں کہتا تو اس سے فرماتے کہ مسلمان کے طریقہ جانتے ہو۔ اسپر بھی اگر وہ جی کہتا تو اس سے پوچھتے کہ ”پھر یہاں کیوں آئے ہو۔ اکثر اپنے صاحبزادے سے (شیخ خاوند ظہور) سے فرماتے کہ ”صوفی مشو۔ ایں مشو۔ آں مشو۔ مسلمان شو۔“ آپ نے ۲۲ ربیع الاول ۷۹۸ھ میں وفات پائی۔ اور سرزمین نبویہ میں دفن ہوئے۔ ”اں شفا بخش معلولان امراض حیرانی۔ اں نجات دہندہ مجوسان زندانِ نفسانی۔ اں کاشفِ اسرار نہانی۔ حضرت شیخ عمر باغستانی (بحرِ زخار ۲ ص ۷۷) آپ کا مفضل حال رشتہات میں مذکور ہے۔

آپ کی ولادت ماہ رمضان ۸۰۴ھ میں ہوئی۔ آثارِ ہدایت و سعادت جہیں کرامت آگئیں  
میں ابتدا سے ہی تاباں و درخشاں تھے۔ جس کی نظر بھی روئے مبارک پر پڑتی بہ زبانِ حال بے اختیار اٹھتا ہے

ستارہ خطِ تراخواندہ و ثنا گفتہ فرشتہ روئے ترا دیدہ و دعا گفتہ

مولانا عبد اللہ سرہلی بیان کرتے تھے کہ میرے باپ حضرت خواجہ نظام الدین کے مخلص معتقد  
تھے۔ مولانا اکثر ہمارے گھر آتے اور میرے والد آپ کی خدمت پر کمر بستہ ہوتے اور حضرت اکثر  
مراقبہ بھی فرماتے تھے ایک روز آپ مراقب تھے اور میرے والد قریب ہی کسی کام میں مصروف  
تھے۔ اچانک آپ نے سر اٹھا کر زور سے ان کو آواز دی۔ میرے والد نے جب ان کی آواز سنی تو  
ایسا سب کام چھوڑ چھا خدمت میں حاضر ہوئے اور سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا ”مشرق میں ایک  
شخص پیدا ہوا ہے جس کا نام خواجہ عبید اللہ ہے اس نے تمام روئے زمین کو اپنی گرفت میں لے لیا  
ہے وہ بڑی عجیب اور بزرگ شخصیت والا ہے“

آپ خور فرماتے تھے کہ میرے والد بزرگوار میرے جدِ محترم کے مرضِ الوصال میں ان کے  
پاس گئے۔ میرے چچا خواجہ محمد یحییٰ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان سے ترکی زبان میں فرمایا  
”جاؤ اپنے لڑکے کو لے آؤ“ وہ خواجہ اسحاق کو لے آئے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ یہ بہت  
سرگردانی (پریشانی) اٹھائے گا۔ پھر خواجہ اسحاق کے بھائی خواجہ مسعود کو طلب فرمایا اور ان سے بھی  
یہی فرمایا کہ یہ بھی بہت سرگردانی (پریشانی) اٹھائے گا۔ اور اسحاق کو بھی سرگرداں کرے گا۔ پھر میرے  
والد سے فرمایا جاؤ اپنے لڑکے کو لے آؤ۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے۔ آپ نے مجھے اوپر سے نیچے تک  
دیکھا اور فرمایا کہ ”میرا یہ بیٹا عالمگیر ہو گا اور شریعت و طریقت اس سے رونق پذیر ہو گی“ پھر فرمایا  
”کہ میں جس لڑکے کو طلب کر رہا تھا وہ یہی ہے“

آپ کی والدہ ماجدہ جب تک نفاس سے فارغ نہ ہو گئیں آپ نے ان کا دودھ نہ پیا  
آپ کی دایہ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز زمانہ شیر خوارگی میں میری کوشش کے باوجود آپ  
نے دودھ نہ پیا میں نے یہ صورت حال دیکھ کر آپ کی والدہ سے پریشان ہو کر عرض کیا۔ انھوں

نے فرمایا کہ غالباً تم نے کوئی مشتبہ چیز کھائی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ میں اپنی ایک رشتہ دار کے وہاں گئی تھی اس نے اخلاقاً میری ضیافت کی تھی۔ فرمایا کہ بس یہی بات ہے۔ تم تین روز روزہ رکھو شاید اس کے بعد دودھ پیئیں۔ میں نے ان کے فرمانے کے مطابق تین روزے رکھے۔ چوتھے روز بمشکل تمام آپ نے دودھ نوش کیا۔ اس قسم کے بکثرت واقعات شیرخوارگی کے دوران آپ سے صادر ہوئے

چار سال کی عمر سے ہی آپ کی نسبت مع اللہ ہی اتنی قوی تھی کہ کسی وقت اس سے غافل نہ ہوتے حتیٰ کہ مکتب کی آمدورفت میں بھی ایک لمحہ اس سے خالی نہ گذرتا۔ ایک بار مکتب جا رہے تھے شدید سردی کا زمانہ تھا۔ تیز ہوائیں جسم کو ریخ بستہ کئے ہوئے تھیں۔ آپ اسی نسبت میں گم چلے جا رہے تھے اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور پیر معہ جوتے کے دلدل میں پھنس گیا۔ جوتا نکالتے وقت اسی نسبت میں قدرے فرق آیا تھا کہ فوراً احساس ہو گیا۔ اپنے کو ملامت کرنے لگے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ قریب ہی ایک کسان کمیت جوت رہا تھا آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ”اے عبید اللہ یہ کسان ہل چلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہے تو اتنی ذرا سی بات پر اس سے غافل ہو گیا اے

— آپ میں ابتداء سے ہی مطلق لہو و لعب کا مادہ نہ تھا جیسا کہ عام طور پر اس عمر کے بچوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے چچا زاد بھائی خواجہ محمد اسحاق بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ بچپن میں کھیل کود میں آپ کو بلاتے لیکن اول تو آپ آتے ہی نہ تھے بلکہ ٹال جاتے اور اگر کبھی بہت اصرار سے آتے بھی تو موقع پا کر فرار ہو جایا کرتے تھے

سن طفولیت میں ایک بار شیخ ابوبکر ففال شاشی کے مزار پر تھے۔ خواب میں حضرت



عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑے۔ انہوں نے نہایت شفقت سے اٹھا کر فرمایا کہ ”کیوں غمگین ہوتے ہو تمہاری تربیت میں کروں گا۔“ بیدار ہونے پر اپنے احباب سے اسکی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے تعبیر دی کہ تم کو علم طب نصیب ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری اس تعبیر سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے اس سے یہ تعبیر لی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسمِ حی کے مظہر ہیں اور اولیاء اللہ میں سے جو بھی صفتِ احیاء ظاہر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس دور کا عیسوی المشہد ہے۔ چونکہ آپ نے اس فقیر کی تربیت اپنے ذمہ لی ہے۔ لہذا اسے مردہ قلوب کو بیدار کرنے کی صفت حاصل ہوگی۔ آپ فرماتے تھے کہ تھوڑی ہی مدت بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حالت و قوت سے سرفراز فرمایا اور بکثرت لوگ میری بدولت پردہ غفلت سے نکل کر حضور و شہود کے مقام پر پہنچ گئے۔

ابتداءً حال میں ایک روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ صحابہ کرام کی کثیر جماعت کے ساتھ ایک بلند پہاڑ کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ آپ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ”مجھے اس پہاڑ کے اوپر پہنچا دو میں نے ارشاد کے بموجب آپ کو اپنی گردن پر بٹھا کر پہاڑ کے اوپر پہنچا دیا۔ آپ نے میری بڑی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تمہاری اس قوت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے۔“

آپ فرماتے تھے کہ میں بچپن میں ڈرتا بہت تھا ایسا کہ تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا تھا۔ ایک رات دل میں شدت سے یہ خواہش ابھری کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت شیخ ابوبکر قفال شاشی۔ شیخ خاوند ظہور۔ خواجہ ابراہیم کیمیاگر اور شیخ زین الدین دعائے عارفان کے مزارات پر حاضر ہوا۔ اس وقت سے خوف ایسا دور ہوا کہ تاشقند کے تمام بزرگوں کے مزارات پر جو ایک دوسرے کافی فاصلہ پر تھے ایک رات میں گشت کر یا کرتا تھا۔ بعض مزارات تو ایسی جگہ تھے کہ لوگ وہاں دن میں تنہا جاتے ڈرتے تھے۔ ایک رات میں شیخ زین الدین دعائے عارفان کے مزار پر بیٹھا تھا کہ ایک پاگل شخص آ پہنچا۔ یہ شخص بڑا لمبا چوڑا۔ قوی ہیکل و خوفناک شکل کا تھا۔ دن رہاؤ لوگ اس سے ڈرتے تھے اور انہیں دنوں وہ شخص ایک آدمی کو قتل بھی کر چکا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر اس نے ڈرانا اور شور مچانا شروع کیا اور نہایت غصہ سے مجھ سے کہا کہ ”یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور ذرا بھی نہ ڈرا۔ یہ دیکھ کر وہ دوڑا اور درختوں سے لکڑیاں توڑ کر جمع کرنے لگا۔ اسکے بعد قریب کی مسجد سے جلتا ہوا چراغ اٹھایا اس کا ارادہ تھا کہ لکڑیاں جلا کر میرے اوپر پھینک کر مجھے جلا دے۔ اسی دوران اتنی تیز ہوا چلی کہ چراغ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ دیوہیکل دیوانہ میرے گرد صبح تک چیتا چنگھاڑتا رہا لیکن میں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ صبح ہونے کے بعد وہ تاشقند کے بازار کی طرف بھاگا اور وہاں پہنچ کر پھر ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر بازار والوں نے اسے گھیر کر قتل کر دیا۔

آپ پر ابندار میں عسرت و ناداری کا تسلط تھا لیکن مصائب کی برداشت کی قوت رگ و پے میں خون بن کر دوڑ رہی تھی اور ان فقر فحری کا لباس زیب تن تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آزمائش بھی بڑی روح فرسا اور عقیدہ کو متزلزل کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ مرزا شاہ رخ کے زمانہ میں ہری میں مقیم تھے۔ اور پیسہ کوڑی تو درکنار صرف ایک پگڑی تھی وہ بھی اتنی بوسیدہ کہ اگر ایک طرف سے پیٹتے تھے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتی تھی۔ اسی حالت میں ایک روز بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سائل سامنے آیا اور دست سوال دراز کیا۔ آپ نے اسے دیکھا۔ اپنی حالت پر نظر کی۔ غیرت ایمانی جوش میں آئی سائل کا خالی ہاتھ جانا کچھ پسند نہ آیا۔ فوراً اپنی پگڑی اتاری اور قریب کے ایک نابھانی کو دے کر کہا کہ یہ پاک پگڑی ہے۔ تمہاری دیگ پونچھنے کے کام آئے گی اسے لیلو اور اسکے عوض اس فقیر کو کچھ کھلا دو اس نے آپ کے اس کہنے پر فقیر کو شکم سیر کر دیا اور آپ کی پگڑی واپس کرنا چاہی لیکن آپ نے نہ لی اور وہاں سے چل دیئے۔

اس افلاس کے دور میں بھی خدمت کا جذبہ کارفرما تھا اور اس تنگدستی کی حالت میں بھی بھرتی لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور خدمت کو ہمیشہ ذکر اور مراقبہ پر مقدم رکھتے اور ترجیح دیتے تھے نیز اس کے صلہ کے کبھی طالب نہ ہوتے۔ اس کا جذبہ اور شوق عمر کے ساتھ بڑھتا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ محبوب مشعلہ خواہش کی حد سے نکل کر حیات کا جز و لا ینفک بن گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ کتابوں سے نہیں حاصل کیا بلکہ صرف خدمت سے حاصل کیا ہے۔ ہر شخص کو قیامت کے روز الگ الگ دروازہ سے داخل کیا جائیگا لیکن مجھ کو خدمت کے دروازے سے داخل کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ محبوب کی خدمت مجھ سے ہم آغوش ہے۔

## خدمتِ خلق

آپ فرماتے تھے کہ میں جس زمانہ میں سمرقند میں مولانا قطب الدین کے مدرسہ میں تھا تو کئی آدمیوں کی جو ایک قسم کے متعدی مرض میں مبتلا تھے خدمت کیا کرتا تھا۔ ان کو پاخانہ پشیاں تک کا ہوش نہ تھا۔ دن و رات کئی کئی مرتبہ ہر شخص کے کپڑے اوز بچھونے خراب ہوتے تھے جن کو میں برابر دھویا کرتا تھا۔ آخر مجھ کو بھی بڑا مرض لاحق ہو گیا جو ان کو تھا۔ ایک رات میں تپِ محرقہ (سخت بخلہ) میں بہن رہا تھا اس حالت میں بھی کئی گھڑے پانی بھر کر ان بیماروں کے کپڑے اور بستر دھوئے۔ اور جس زمانہ میں سہری میں تھا۔ پیر سہری کے حمام میں جا کر لوگوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ پندرہ سولہ آدمیوں کی ایک ساتھ خدمت کی اور خدمت کرنے میں کبھی اچھے۔ بُرے۔ آزاد یا غلام کا فرق نہیں کیا۔ اور اسکے قبل کہ کوئی مجھے میری خدمت کا بدلہ دے وہاں سے چپ چاپ چل دیا کرتا تھا۔

## حفظِ ادب

آپ ہمیشہ خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن میں ادب کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ ایک ارادت مند کا بیان ہے کہ میں پینتیس سال آپ کی خدمت کی اور خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہا لیکن اس طویل عرصہ میں آپ کو کبھی کوئی ایسی بات کرتے نہیں دیکھا جس سے دوسرے کی طبیعت مکدر ہوتی ہو۔ آپ نے کبھی سب یا انگو رکھا کر چھلکا منہ سے نکال کر نہیں پھینکا اور نہ بلفم یا رطوبت کو اس طرح کھنکھار کر خارج کیا کہ دوسرے کو کراہت ہوئی ہو۔

## صورت

آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت خواجہ نظام الدین سمرقندی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک حسین جوان آیا جس کا چہرہ انتہائی نورانی اور بارعب و جلال تھا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس گیا۔ اسکے چلے جانے کے بعد میں نے حضرت مخدوم نظام الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ ”یہ خواجہ عبید اللہ تھے۔ شانِ عام بہت جلد اس کے مطیع (حلقہ گوش) ہو جاتیں گے۔“

ابتداءً حال میں ہری میں قیام کے دوران سید محمد قاسم تبریزی کی خدمت حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ آپ پر بڑی عنایت فرماتے تھے اکثر اپنا پس خوردہ آپ کو عنایت فرماتے اور کہتے ”اے ترکستانی شیخ زادے! جس طرح ہمارے یہ مرید مطیع و فرماں بردار ہیں اسی طرح بہت جلد سارا عالم تمہارا مطیع ہو جائے گا۔“ آپ اس وقت ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سن کر متعجب ہوتے تھے۔ بہر حال ان کا فرمانا پورا ہوا۔

تعلیم۔ بائیس سال کی عمر تھی کہ آپ کے ماموں خواجہ ابراہیم نے آپ کو تاشقند سے سمرقند لاکر تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن علم باطن علم ظاہر کے حصول کے مانع ہوا۔ آخر کار ایسے سخت بیمار پڑے کہ مجبوراً کہنا پڑا۔ ماموں جان! میری حالت آپ دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ علم ظاہر کا حاصل کرنا میری قسمت میں نہیں ہے اور آپ اسکو پسند نہ فرمائیں گے اور اب تو مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ اگر میں نے زائد زور دیا یا کوشش کی تو کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ آپ کے ماموں آپ کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا۔ جان من۔ میں تمہارا حال اس حد تک نہ جانتا تھا تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جاں دل چاہے جاؤ اور جو دل چاہے کرو۔ اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے۔ آپ پھر دوبارہ منقطع شدہ علمی سلسلہ جوڑنے میں مصروف ہوئے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ عارضہ چشم میں مبتلا ہوئے۔ پینتالیس روز اسی کشمکش میں گزر گئے۔ تنگ آکر اے ترک فرما دیا۔ چنانچہ اکثر فرماتے تھے کہ ”ہمارے علم ظاہر کا مجموعہ مرنے مصباح کے ایک یا دو ورق ہیں“ ۵۲

۱۷ سید قاسم تبریزی شیخ صفی الدین اردبیلی سے بیعت تھے۔ ان کے بعد شیخ صفی الدین بمنی خلیفہ شیخ احمد الدین کرمانی سے اخذ فیض کیا۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ نعمتیں ہے کہ اہل رد و انکار کے آپ کے بارہ میں دو گروہ تھے ایک گروہ آپ کو شاعری سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ (مریدین) موصد۔ آپ پر مشرب توحیدی غالب تھا۔ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی بھی صحبت حاصل کی تھی ایک بار ہرات کی جامع مسجد میں ایک شخص نے بادشاہ کے تلوار مائی۔ آپ کانگر خانہ اس کے متصل تھا لوگ سمجھے کہ غالباً اس میں سید صاحب کا بھی ہاتھ ہے لہذا آپ شہر بدر کر دیے گئے۔ آپ پہلے بلخ اور پھر سمرقند چلے گئے۔۔۔ آپ نہایت عالی ہمت تھے۔ دوسروں کی تکلیف سے جلد متاثر ہو جاتے تھے۔ کسی شخص کے بارہ میں اگر سن پاتے تو بیقرار اور مضطرب ہو جاتے اگر خود عیادت کو نہ جاپاتے تو طلب زمین و خدام کو اسکے پاس بھیجتے اور ان کے ذریعہ تسلی و تسفی نیز امداد بھی کرتے تھے۔ خواجہ صاحب آپ سے بہت متاثر اور معترف تھے ۵۸ میں وفات پائی۔ آپ کا مفصل حال رشتات و نجات الانس میں مذکور ہے

(بحر زخار جلد دوم صفحہ ۷) ۵۲ رشتات ۱۶۹



کسی علوم سے تو ضرور نا بلند رہے لیکن علم ظاہر دہی اور تہذیب قدم قدم پر رہبر بار اکثر دورانِ درس۔  
 علمی مباحثہ۔ نیز تفسیر قاضی کے مطالب پر اکابر علماء سے ایسے ایسے سوالات پوچھ بیٹھتے کہ وہ دنگ او  
 متحیر رہ جاتے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا۔

ایشیاء و شفقت و عنایت: حضرت میر عبد اللہ جنہیں آپ سے علاوہ نسبت ارادت و خادمت  
 کے واداری کا شرف بھی حاصل تھا اپنے مسموعات میں لکھتے ہیں کہ ایک: بہار کی ابتداء میں خدام کی ایک  
 جماعت آپ کی معیت میں "کشت" روانہ ہوئی۔ شام کے وقت ایک پہاڑ پر قیام فرمایا۔ خدام نے خیمہ  
 نصب کیا۔ مغرب کی نماز پڑھی تھی بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا مجھے اس خیمہ طہارت پر شک ہے۔  
 میں خود اس میں نہیں رہوں گا لیکن اور لوگ قیام کریں۔ اس سلسلہ میں عنایت فرماتے ہوئے بہت زور

عہ آپ نیشاپور سے آکر ماہِ ابراہیم میں خواجہ احرار لاویا کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ اور پھر آپ کی ملامت اختیار  
 کرے تعلیم باطنی حاصل کی۔ نیشاپور کی تعلیم کے دوران مولانا حسین واعظ کاشفی کے ہم سفر اور مجرہ رہے۔ مولانا حسین کے  
 بیٹے مولانا فخر الدین علی صفی لکھتے ہیں کہ آپ سابقہ چمدی شناسائی کا خیال کر کے میرے ساتھ کال توجہ فرمایا کرتے تھے۔  
 جب آپ خواجہ ملازمت سے سرفراز ہوتے تو سات برس کامل ریاضات و مجاہدات میں صرف کرتے لیکن حضرت  
 خواجہ ان کے حال پر نظر مطلق نہیں ہوتے۔ اس دوران آپ ہر قسم کے دکھ درد جو صادق درد مندوں کا حصہ ہے  
 برداشت کیا کرتے تھے اور مبر و تحمل و توکل اختیار کرتے ہوئے اپنا اعتقاد کو درست رکھتے تھے جب قوت برداشت  
 جواب دے گئی تو نہایت غمگین اور افسردہ ہو کر اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئے۔ سر اور منہ نگلی سے چھپا لیا۔ اور اپنے  
 آپ پر لعنت ملامت کرنے لگے کہ "اے عبدالاول اس دنیا میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو دلالت و قرب کی دولت  
 بے بہرہ ہیں۔ تو بھی انہیں میں شامل ہو جا۔ جفا اور محنت کے برداشت کرنے میں جس قدر انسانی طاقت تھی۔ وہ تو کام  
 میں لاپچکا۔ لیکن کوئی کثود کار نہ ہوا۔" (نتیجہ کچھ نہ نکلا) اسی قسم کی پشیمانی کے باتیں کرتے ہوئے ایک لحظہ بھی نہ گذرا تھا کہ جڑ  
 میں پاؤں کی آہٹ ہوئی۔ چونکہ آپ دریائے غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آہٹ کی طرف منوجہ نہ ہوئے۔ بلکہ ایک پیر بزرگوار  
 کی آواز سنائی دی کہ "عبدالاول! آرام سے سو۔ تمہارے سب کام پورے طور پر درست ہو گئے ہیں۔ آپ یہ آواز سن کر  
 مضطرب نہ اٹھے۔ دیکھا کہ حضرت خواجہ تیسے باہر تشریف لائے جا رہے ہیں آپ عاشقوں کی طرح بیتاب اور مضطرب ہو گئے۔ اس  
 کے بعد راد طلب میں دوبارہ استقامت اور یوگ حصے زیادہ نصیب ہوا اور اسی سیدہ یعنی ماہِ ذی الحجہ ۱۰۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی



حضرت مولانا نظام الدین خاموش سیر فرہست ہیں۔ جن کی ہمہ وقت صحبت سے آپ زائد متاثر ہوئے آپ جب کبھی خراشان کے مشائخ کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ ”مجھے جو بات شیخ بہار الدین عمر میں نظر آئی وہ کسی دوسرے میں نہ نظر آئی۔ ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ ہر شخص سے اس کے مزاج اور مذاق کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اپنے کو اسکے مقابلہ میں ممتاز نہیں کرتے۔“

نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے ساری عمر میں سید قاسم تبریزی سے زائد بزرگ شخصیت کسی کی نہ دیکھی۔ اس دور کے تمام مشائخ کی خدمت میں رہا اور ہر ایک کی نسبت دیکھی لیکن جو بات سید قاسم کی نسبت میں پائی وہ کسی میں نہ پائی۔ اور اسے پھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو یہ نظر آتا تھا کہ ساری کائنات ان کا طواف کر رہی ہے۔ پھر ان میں داخل ہوتی ہے اور گرم ہو جاتی ہے

مولانا نظام الدین خاموش خواجہ علاء الدین عطار کے جلیل القدر اصحاب میں تھے۔ آپ میں جذبی و استقرانی کیفیت بہت طاری رہتی تھی۔ فرماتے تھے کہ خواجہ علاء الدین عطار کی خدمت میں حاضری سے قبل ہی ریاضات و مجاہدات کر چکا تھا جسکی وجہ سے خوراق عادات بہت ظاہر ہوتے تھے ایسا کہ اکثر اوقات بعض ان مساجد میں جن میں قفل بند رہتا تھا جلنے کا ارادہ کرتا تو فوراً قفل خود بخود کھل جاتا تھا۔ جب خواجہ علاء الدین عطار کی سمرقند تشریف آوری کی خبر سنی تو شدت سے ذوق حاضری پیدا ہوا۔ حاضری سے قبل مولانا ابو سعید سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ مولانا تم نہایت عقیف اور پاکیزہ ہو۔ کیا ان زہد اور پاکیزگیوں سے گذر نے کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ میری طبیعت یہ سن کر یک گونہ منقبض ہوئی۔ جب خواجہ علاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بھی وہی الفاظ دہرائے لیکن مجھ کو آپ کے اس فرمانے پر ذرہ برابر گرائی یا ناگواری محسوس نہ ہوئی بلکہ جو انقباض مولانا ابو سعید کے فرمانے پر پیدا ہوا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ چالیس سال سے مجھے حاجت غسل نہ ہوئی۔ اور اس کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز روحانیہیں کی ایک جامعہ اتری اور کہا کہ تم کو اس بات کا خور خیال رکھنا چاہیے کہ احتلام ہو (پاکیزگی جسم کا خور پاس و بھانا رکھنا چاہیے) کیونکہ ای نفسانی تقاضوں سے تم کو بہر حال واپس لوٹنا ہے۔ چنانچہ اس روز سے میں نے اس بات کا خاص خیال رکھا۔ حالانکہ آپ متاہل تھے (بال بچے دار تھے) ”آں گو شوارہ کرامت کبریٰ۔ آن طاق ولایت صغریٰ۔ اک جام و صحت کوش۔ حضرت مولانا نظام الدین خاموش از افضل اصفیاء کبر اتقیائشانے عظیم و بخت بلند و خدا طلبی داشت“ ”مجموعہ خاں جلد ۲ صفحہ ۶۶“ مفصل حال کے لیے ملاحظہ ہو۔ رشتہات و نفحات الانس

وہ اکثر اپنا پس خوردہ آب کو یہ کہہ کر عنایت فرماتے کہ ”اے شیخ زادہ ترکستان! جس طرح تمہارے  
مطیع فرمانبردار ہیں اسی طرح (ایک وقت ایسا کہے گا) کہ سارا عالم تمہارا مطیع و فرمانبردار ہو جائے  
گا۔“

ایک بار دورانِ حاضری سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ بابو! تمہارا کیا نام ہے (ان کی یہ عادت  
تھی کہ اکثر لوگوں کو بابو کہہ کر مخاطب فرماتے تھے) آپ نے عرض کیا عبید اللہ!۔ انھوں نے فرمایا کہ تم کو اپنے  
نام کی تحقیق ضرور کر لینا چاہیے۔ آپ کے غلصہ و غلیفہ خاص مولانا محمد قاضی اسکی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اسم  
کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ تم اس بات پر غور کرو کہ کس اسم حق کے منظر ہو تاکہ اسی کے مطابق اس کی  
عبادت کر سکو۔ پھر لکھتے ہیں کہ راقم کے دل میں جو آیا وہ یہ ہے کہ اسم کی تحقیق سے یہ مراد ہے کہ وہ اسم  
تمہارا مرقی اور تمہاری حقیقت اس اسم کا منظر ہے۔ اور تمہارے تمام امور اسی سے وابستہ ہیں۔ اور اس اسم  
کے ساتھ متحقق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی حقیقت ایسی آئینہ ہو جائے کہ وہ اسم تمام لوازمات کے  
ساتھ کامل طور پر اس میں متجلی ہو جائے اور اس کے منظر سے بروہ کمال ظاہر ہو۔ اور وہ خود اس تجلی کے  
آثار و احکام کے ظہور میں فنا و مستغرق ہو جائے (یعنی ہر شخص ذات و صفات کے اسماء میں سے کسی نہ کسی  
اسم کا منظر ہوتا ہے اور اسی اسم سے اسے فیض حاصل ہوتا ہے)۔

آپ فرماتے تھے کہ مجھے سمرقند میں (قیام کے دوران) حُصْبہ ہو گیا تھا۔ قدرے بہتر ہوا تھا۔ لیکن  
نقاہت حد سے زائد تھی۔ مولانا قطب الدین کے مدرسہ میں پڑا ہوا تھا۔ اچانک مولانا سعد الدین کاشغری  
آئے اور فرمایا کہ تم کو ایک خوشخبری ہو۔ سید قاسم تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ اتنی بھی قوت  
نہ تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکنا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ جائیں مجھ میں تو ابھی اتنی سکت ہے  
نہیں کہ آپ کی خدمت میں نہ ہو سکوں۔ چند روز بعد جب میرے اتنی طاقت آگئی۔ تو شیخ ابوالیث کی خانقاہ آیا جہاں

۱۵ ایفنا ۱۲۴ ۱۲۵ ایفنا ۱۲۶ ۱۲۷ چھوٹے چھوٹے دانے بڑی جلیں داے جو آدمی کے جسم میں نکلتے

ہیں۔ فارسی میں اسکو سُرْخُج کہتے۔ یہ بھی ایک قسم کی چیچک ہے مگر خوفناک نہیں ہے۔ کشوری ۱۵۲۔

آپ بغرض حمام تشریف فرما تھے۔ میں آپ کے انتظار میں باہر کھڑا رہا۔ تھوڑی بعد آپ حمام سے باہر تشریف لائے اور تختِ رواں (پالکی یا میاں) پر بیٹھ گئے جس کو چار آدمی اٹھاتے ہوئے تھے۔ اتفاقاً اس وقت ایک شخص موجود نہ تھا لہذا ایک پایہ میں نے تمام بیا اس کا اٹھانا تھا کہ میں دہرا ہو گیا اور اٹا جھک گیا کہ قریب تھا میری ناک زمین سے لگ جاتے اور تختِ رواں میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے۔ میں یہ صورتحال دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ اور فوراً آپ کی جانب متوجہ ہوا۔ اس توجہ سے مجھ میں اتنی قوت آگئی کہ تختِ رواں کو امیر شاہ ملک کے پھاٹک تک لے چلا گیا۔ سید صاحب کے مریدین کو میری کمزوری اور حالت کا پورا علم تھا۔ یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ ”اب تم انسانِ کامل کے زمرہ میں آگئے ہو کیونکہ حاملِ بارِ امانت ہو گئے ہو“۔ اے

سیر و سیاحت ۱۔ آپ کچھ عرصہ سمرقند میں رہے پھر وہاں سے بخارا روانہ ہوئے۔ اٹھارے راہ میں شیخ سراج الدین پرمسی کے وہاں ایک ہفتہ قیام فرمایا۔

لے رشحات ۱۳۲۔

۱۔ شیخ سراج الدین کمال پرمسی پرمس میں پیدا ہوئے (پرمس قصبہ واکینی کا ایک گاؤں ہے وہاں سے شہر بخارا تقریباً ۴ میل ہے) ابتدائے حال میں امیر حمزہ فرزند امیر کللال کے مرید ہوئے لیکن آخر میں خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابتدائے حال میں امیر حمزہ کی خدمت میں رہ کر ریاضات و مجاہدات کئے۔ اسی دوران ایک روز غیبت طاری ہوئی تین شبابینو بے خود (بے سدھ)۔ مرشدِ حق کو جب ان کی کیفیت کا علم ہوا تو فرمایا کہ ان کے کان میں کہہ دو کہ امیر حمزہ کہہ رہے ہیں جس جگہ تم پہنچ گئے ہو وہاں سے پلٹ آؤ۔ جیسے ہی یہ آواز کانوں میں پہنچی فوراً ہوش میں آئے خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں سمرقند سے بخارا کی جانب چلا تو راستہ میں سیراج پرمسی کا گاؤں پڑا۔ میں وہاں حاضر ہوا۔ آپ نے بہت عنایت و توجہ فرمائی اور بہت چاہا کہ ان کے پاس رہ جاؤں۔ لیکن دل نے گوارا نہ کیا۔ جب میں نے رخصت چاہی تو فرمایا کہ یہاں کی بھی سیر کرو خراسان و عراق سب جگہیں تو تم گھوم چکے ہو۔ میں رک گیا۔ پھر تین روز بعد بخارا چلا گیا

اپنے تین روزہ دورانِ قیام ان کے احوال کا خوب جائزہ لیا۔ دن پھر آپ کسگری کرتے تھے اور رات بھر ایک پہلو سے بیٹھ رہتے تھے ایک روز مجھے فرمایا کہ مجھ سے اور شیخ ابوالحسن عشقی کے اصحاب کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ مجھے یہ خیال آیا کہ ان کو مرید کر لوں۔ وہ اس بات کو سمجھ گئے۔ اور کہنے لگے کہ اے شیخ آپ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے ہم شیخ ابوالحسن کی محبت میں گلے گلے تک پڑیں کہ اب کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہے مجھے اس بات سے بڑی شرم آئی اور ان کے باطن میں ایک ایسا تصرف کیا کہ سب کے سب گریہ مانا چاک کر کے زمین پر دھنسنے لگے اور تادیر بیہوش پڑے رہے۔ جب میں نے دوبارہ تصرف کیا اور وہ ہوش میں آئے تو نہایت معتقد اور نیاز مند ہو گئے۔ میں نے کہا کوئی سحر نہیں۔ میرے اور تمہارے شیخ ابوالحسن عشقی ایک ہی برتن سے پانی پیتے ہیں (رشحات ۳۸-۳۹)





اور شیخ زین الدین اور ان کے اصحاب کے قول کی تائید میں دلائل دینا شروع کئے۔ جب آپ نے غور کیا تو سب دلائل سید قاسم اور ان کے متبعین کے قول کی تائید میں تھے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہ دلائل تو سید قاسم کی بات کی تائید کرتی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اس سے زائد قوی دلائل دینا شروع کئے۔ لیکن وہ سب بھی سید قاسم ہی کے قول کی تائید میں تھے۔ اس وقت آپ کے دل میں آیا کہ (اس کا مطلب یہ ہے) باطن میں سید قاسم کے قول کا اعتقاد رکھنا چاہیے اور ظاہر میں شیخ زین الدین کے قول کا۔ (یعنی توحید و جود کا اعتقاد رکھے اور توحید شہودی کا اقرار کرے)

توحید و جود کا مسئلہ کوی علمی اور استدلالی مسئلہ نہیں ہے جو سمجھایا جاسکے بلکہ ایک ذوقی۔ وجدانی کشفی اور روحانی لذت ہے۔ ذوق این مے نہ شناسی بخدا تاشی۔ یہ الٹا پھیر صرف نفلوں کا ہے ورنہ وجود شہور ہے اور شہود وجود۔ شہود ہو ہی نہیں سکتا جب تک وجود نہ ہو اور وجود کا تصور ناقص اور ناقابل فہم ہے جب تک شہود نہ ہو۔ قرآن پاک کا یہ علی الاعلان بیان اللہ نور السموات والارض وحدت الوجود کا بین ثبوت نہیں تو اور کیا ہے سید سلیمان ندوی فرماتے تھے کہ تم وحدت الوجود کو قال سے سمجھنا چاہتے ہو لیکن یہ تو حال ہے پھر کیسے تمہاری سمجھ میں آسکتا ہے۔“

ذات جس طرح صفات سے الگ نہیں اسی طرح وجود شہود کا غیر نہیں۔ وحدت میں تفریق اور تفرق کیسا۔ ایک ذات ہے جس کے لاتعداد اور لاتحصری مظاہر ہیں جن میں سے کچھ نگاہ ظاہر میں ہیں فی الحال ہو یا ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جو ابھی تک نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اور کیا معلوم کب منصف شہود پر آجائیں۔ ابتدائے تاریخ تصوف میں توحید کے تصور میں یہ تفریق نہ کبھی پیدا ہوئی نہ اس کی کبھی ضرورت پڑی کیونکہ ذکر الہی لا الہ الا اللہ دونوں کو زندہ کرنے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ ان موشگافیوں کی صوفیائے کرام کو نہ فرصت تھی اور نہ جنگی چنداں ضرورت تھی۔ مظاہر فطرت شہود ہیں اور حق من حیث الحقیقت وجود۔ جیسا شاعر نے کہا ہے

حرم و دیر کے جھگڑتے پیچنے سے پڑے تو اگر پردہ اٹھادے تو تو ہوا تو ہو جائے

لہذا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں بجائے جھگڑا ڈالنے کے اور ان کے فرق و تفریق کو منطقی استدلال سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط سمجھنا اور کہنا دراصل ایک فریب خورد ہے۔ اور فریب خورد میں پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ حسن ازل کی (جو مستور ہے) نقائے زیبائی خواہش میں زندگی کو وقف کر دیا جائے تاکہ زندگی

ہمیشہ زندہ رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے شریعت کے غلبہ کے باعث یہ فرق عموس کیا لیکن شریعت و طریقت جداگانہ شے نہیں ہیں۔ شریعت ہم پر ہے اور طریقت ہم میں ہے۔ بے ایک کا تعلق ظاہر سے ہے اور دوسرے کا باطن سے۔ شریعت رسول کے نفس کا عمل اور طریقت روح کا عمل ہے۔ نہ ظاہر باطن سے الگ ہو سکتا ہے اور نہ باطن ظاہر سے۔ جب شہباز طریقت کو یہ دونوں شہر پیتر ہوتے ہیں تب وہ رموز نہانی کی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی کو بقا بعد الفنا کہتے ہیں۔ اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے باطن پر خدا کی ہستی کے ظہور کا غلبہ ہو تو خدا کے سوا کسی شے کا علم و شعور باقی نہ رہے اور فنا الفنا یہ ہے کہ اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے۔ اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ”فنا اس حال کا نام ہے جس میں انسان مشاہد ذات حق میں ایسا محو ہو جائے کہ کائنات اس کی نظر میں معدوم ہو جائے۔ اور بقاء یہ ہے کہ انسان ایسا کمال حاصل کرے کہ حق کو خلق میں دیکھے اور خلق کو حق میں اس طرح کہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کے مانع نہ ہو یہی مقام انسان کامل اور خلافت الہیہ کا ہے۔“

آپ فرماتے تھے کہ جب میں ہری گیا اور حل دختران پہنچا تو ایک حسین تاجر کو دیکھا کہ ایک رانے کے دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے میں یہ سمجھا کہ ذکر طریقہ خواجگاں میں مشغول ہے۔ میں نے اس سے پچھا کہ یہ طریقہ تم نے کس بزرگ سے سیکھا ہے۔ کہنے لگا کہ بلقیس میں ایک بزرگ ہیں جو حضرت خواجہ بہاؤ الدین غزنوی کے خلیفہ ہیں اور ان کا نام مولانا یعقوب چرنی ہے اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگا۔ آپ کو یہ بے حد ہی شوق ملاقات پیدا ہوا اور فورا بلقیس کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب چغانیوں کے ملک پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں نے آپ کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں سنیں جن سے شکوک پیدا ہو گئے۔ عقیدہ مترزل ہو گیا اور حاضری میں کاوٹ

پیدا ہو گئی۔ اسی دوران آپ کو بخارا گیا جس کی وجہ سے مزید تاخیر ہو گئی۔ بیس روز بخار میں مبتلا رہے اس عرصہ میں وہ خیالات اور پختہ ہو گئے، لیکن اس سب کے باوجود بادیہ شوق کے مسافر کے جذبہ اشتیاق میں کوئی ایسی ہی مخفی کشش و دریت تھی جو العطش العطش کا نعرہ لگاری تھی اور یہی وہ چیز تھی جو حقیقت کے انکشاف کیلئے نور بصیرت کی متلاشی تھی۔ بہر حال جذبات عالیہ نے لیس الصراط الابلجذبہ سے رہبری کی اور مشعل ہدایت کا کام دے کر مقصود حقیقی کی شاہراہ کی جانب روانہ کر دیا۔

۱۔ حضرت مولانا یعقوب چرنی غزنین کے ایک گاؤں چرنی کے رہنے والے تھے۔ اور رشتہات "میں لکھا ہے کہ "چرنی" حصار کا ایک گاؤں تھا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کے خواستگار ہوئے۔ انھوں نے سبب دریافت فرمایا۔ آپ نے عرض کیا کہ حضور بزرگ اور مقبول خلائق ہیں۔ فرمایا تمہارے پاس کوئی اور دلیل نہیں ہے ہو سکتا ہے تمہارا یہ خیال شیطانی و سوسہ ہو۔ عرض کیا کہ حدیث صحیح ہے کہ "اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا فرما دیتا ہے" آپ مسکرائے اور فرمایا ہم ان مجبولوں میں نہیں ہیں۔ جب آپ نے شدت سے اصرار کیا تو فرمایا کہ میں خود سے کسی کو مرید نہیں کرتا لہذا بیخشاں رہی تم کو قبول نہیں کر سکتا۔ آج شب منظر رہوں گا کہ غیب سے کیا اشارہ ہوتا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اس رات کی کیفیت کیا تھاؤں وہ مجھے پر کیسی سخت گزری۔ جب صبح ہوئی تو مجھ سے فرمایا مبارک ہو۔ تمہیں قبول کرنے کی بشارت دی گئی ہے پھر آپ کو بیعت سے مشرف فرما کر وقوف عدوی (طریقہ نقشبندیہ کا ایک شغل) تعلیم فرمایا۔ کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہے اور خلافت رشد و ارشاد و اجازت سفر حاصل کر کے بدخشاں گئے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد خواجہ علاء الدین عطار کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات اخذ کئے۔ ان کی حیات بھران سے علمیہ نہ ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مسند ارشاد و تلمیذین پر متمکن ہو کر ایک عالم کو اپنے فیوض باطنی سے مالا مال کیا۔ صاحب "بحر زخار" آپ کے بارہ میں ان الفاظ سے رقم طراز ہیں۔ "آں قبلہ کاملین اعظم۔ آن کعبہ موحدین معظم۔ آن در کمالات نظیر فواجہ معروف کرنی قطب العالم حضرت خواجہ یعقوب چرنی۔ مقتدرے عاشقان ہیشوائے واصلاں۔ در زہد و ورع و ریاضت و کرامت بس زہد رفیع را مالک بود۔" (بحر زخار جلد دوم صفحہ ۱۷۶) آپ کا مفصل حال رشتہات و رشتہات الانس میں تحریر ہے۔

مرشد برحق کی خدمت میں حاضری | عشق کے واردات کا علمی جامہ پہننے کا وقت آگیا تھا اور آپ اسکی وسعت و گہرائی میں جانے کے لئے

مضطرب اور اس مجمع البحرین کے موتی نکالنے کیلئے پھین تھے۔ اسی شوق و ذوق اور تلاش و جستجو، نے ملکوں کی خاک چھنوائی۔ بادیہ گردی کے مزے چکھائے۔ صحرا صحرآبلہ پانی کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیا لیکن بیقرار دل کسی پر غم نہ سکا اور ان کی نگاہ بخشش میں کبھی رہی نہ

بشر ستارہ جویم ز ستارہ آفا بے سہر منزلے نہ دارم کہ بمیرم از قرارے  
قائد تقدیر نے نہ صرف اس کبریت احمر کا راستہ دکھایا بلکہ اپنی رہبری میں ان کے قلبی فکر و نظر کے تقاضوں کو حصول مدعا کا ذریعہ بنادیا یعنی اس ہستی کے روبرو پہنچادیا جس نے اپنی آغوش تربیت میں لیکر اپنی شرف نگاہی سے جلوۂ طور کا مشاہدہ کرایا اور ان کے جذبہ شوق کو ملاحظہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا  
ستم است گر ہوسست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا پچمن درآ  
ز کس مستانہ کی سحر طریاں اور بادۂ عرفان کی سرمستیاں رنگ لائیں اور آپ بہ زبان حال پکار اٹھے

مجھ پہ جادو یہ چلایا کس نے مجھ کو دیوانہ بنایا کس نے  
میں تھا آسودہ خواب غفلت مجھ کو سوتے سے جگایا کس نے  
ناز و نیاز کی ہم آہنگی اور نسبت جتنی نے تمام سابقہ نسبتوں کو معدوم کر دیا۔  
ہنگاموں کے نامہ و پیام کے بعد ظاہری اور دستی عہد و پیمان کی بھی ضرورت محسوس ہوئی اور ایک روز دست بدست دگرے کے مصداق بن گئے۔

و موسیٰ بھی ہوں تو بھی اتباعِ خضر لازم ہے۔ ہدایت منحصر ہے اتباعِ شیخِ کامل میں  
رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب آپ مرشدِ کامل کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو کر چٹانیاں پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کی زبانی آپ کے سلسلہ میں کچھ اس قسم کی باتیں سنیں جن سے عقیدہ متزلزل



ہو گیا اور مختلف قسم کے شکوک پیدا ہو گئے۔ کئی روز اسی کشمکش میں گزرے (میں بھی جاذبہ آڑے آیا۔ دل نے کہا کہ تم نے اتنی دور دراز کا سفر جو کیا تو کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ان سے ملاقات کئے واپس جاؤ دریاں حالیکہ کثود کار انہیں پر منحصر ہے۔ آپ اس آواز پر لبیک کہہ کر روانہ ہوئے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس دن بڑی عنایات و نوازشات فرمائیں۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ گئے۔ جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو بر خلاف گذشتہ روز کے نہایت سختی و درشتی سے پیش آئے۔ آپ کو فوراً خطرہ آیا کہ آپ کا یہ برتاؤ اور سلوک یقیناً میرے اس دن کی غیبت سننے اور جو شکوک میرے دل میں پیدا ہو گئے تھے ان کی وجہ سے ہے۔ گو کہ آپ نے اس کی وضاحت نہ فرمائی لیکن اتنا فرمایا کہ کسی کا کسی کے پاس مہینہ دو مہینہ تک نہ جانا اس سے بہتر ہے کہ کسی کی غیبت سننے (یعنی تم نے وہ غیبت سنی ہی کیوں) ان کے اس فرمانے پر آپ کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ غضب اسی غیبت سننے کی وجہ سے تھا چنانچہ آپ متنبہ ہو گئے۔ پھر گذشتہ روز کی طرح بڑی عنایات فرمائیں اور خواجہ بہار الدین قدس سرہ کی خدمت میں اپنی حاضری اور ملاقات کی کیفیت بیان کی۔ اور اپنا دست مبارک بڑھایا اور بیعت ہو جاؤ۔ آپ ان کے اس اچانک اقدام پر متامل ہوئے کیوں کہ ان کی جین مبارک پر آپ کو ایک سفید داغ نظر آیا جو بیعت کے مانع ہوا۔ مرشد برحق فوراً آپ کے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور نہایت حسین و جمیل شکل میں نمودار ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ حجابات شکوک چشم زدن میں کافور ہو گئے۔ مرشد کامل کی ہر ادا یہ کہتی ہوئی نظر آئی کہ

بدگماں ہو کے مل اے دوست جو ملنا ہو تجھے بے جھجکتے ہوئے ملنا کوئی ملنا بھی نہیں  
آپ نے یہ دیکھ کر بے اختیار نہ دست مبارک تھام لیا۔ انہوں نے آپ کی بخودی ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ بہار الدین نے جب میرا ہاتھ پکڑا تھا تو فرمایا تھا کہ ”تمہارا ہاتھ عین میرا ہاتھ ہے جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑا لہذا تم حضرت خواجہ بہار الدین کا ہاتھ پکڑ لو۔ آپ نے یہ سن کر بلا توقف دست مبارک تھام لیا۔ مرشد برحق نے تعلیم باطنی فرمائی اور لفظی اثبات کا وہ طریقہ جسکو ”وقوف عددی“ کہتے ہیں تعلیم فرمایا۔

## ہدیہ قبول نہ کرنا

آپ نے اپنی ابتدائے عمر سے لیکر آخر تک کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کیا مولانا احمد کاریزی نے (جو ایک بزرگ آدمی تھے اور حضرت مولانا سعد الدین قدس سرہ تعلیم پائے ہوئے تھے) ان کی وفات کے

بعد ایک نہایت بیش قیمت لباس سفید جامہ والا اپنے ہاتھ سے بنا کر کاریز سے تحفہ سحر قند بھیجا اور اس کے پہننے کے لئے اصرار کیا آپ نے فرمایا "یہ لباس پہنا جاسکتا ہے کیونکہ اس سے بوئے صدق (خلوص) آتی ہے لیکن چونکہ میں نے کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا ہے لہذا اس سلسلہ میں معذوری ہے۔" پھر وہ ہدیہ کاریز واپس بھیج دیا۔ لے ایک روز آپ شہر سے چند کوس کے فاصلہ پر ایک صحرا سے گزر رہے تھے اور خدام کی ایک جماعت سوار و پیادہ آپ کی بالکی کتے پیچھے پیچھے تھی۔ شدید لڑھلڑا رہی تھی۔ اچانک دور پر چند گھروں کا سایہ دکھائی دیا۔ اتنے میں چند آدمی ادھر سے آتے دکھائی دیئے۔ ان کے پاس کوئی چیز تھی۔ وہ بہت تیز تیز قدموں سے آکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے ان کا سردار اپنی گردن پر ایک سیاہ فربہ بکری لادے ہوئے تھا اور دوسرا شخص ایک بہت بڑی لکڑی کا پیالہ دہی سے بھرا ہوا لایا۔ اس نے یہ دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھ کر نیاز منداۓ عرض کیا کہ یہ حضور کی نذر ہے اسے قبول فرمائیں اور حضور حضور کے ملازمین و خدام اسے نوش کریں۔ یہ دونوں حلال اور پاک چیزیں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کسی کا ہدیہ یا نذر قبول نہیں کرتا۔ ہاں جو دہی تم لائے ہو وہ لیلوں کا لیکن اسکی قیمت تم کو لینا پڑے گی۔ اس نے کہا کہ دہی کی اس صحرا میں کوئی قیمت نہیں اور نہ اسکی کوئی قدر ہے۔ آپ نے فرمایا "میں کوئی چیز مفت نہیں لیتا اور یہ فرما کر اپنے خادم کے ذریعہ ایک اشرفی اسے دلوائی۔ پھر اسے نوش کیا اور اسکے بعد تمام سواروں اور پیادوں نے پیا اور روانہ ہو گئے۔

## نیاز مندی

آپ فرماتے تھے۔ ابتدا میں میرا حال یہ تھا کہ باطن پر نیاز مندی ایسی غالب تھی

کہ آزاد غلام۔ سفید۔ سیاہ۔ چھوٹا اور بڑا جو بھی میرے سامنے آتا میں اپنا سر اس کے قدموں

پر رکھتا اور اس سے دعا و توجہ کی درخواست کرتا۔ ۳

مرشد برحق آپ کی کسبی اور وہی صلاحیتوں

## مرشد برحق کی نگاہ میں مقبولیت

کے باعث بہت مہربان رہے اور اسی چیز نے

۱۔ رشحات ۱۲۵ ۲۔ ایضاً ۱۲۵ ۳۔ رشحات ۱۲۳

آپ کو طبعی یکسوئی کی جانب گام زن رکھا اور مرشد برحق سے ایک ایسی احسانی نسبت پیدا ہو گئی کہ تصنیف و ترکیب و جلالت باطنی کے اسباب خود مہیا ہوتے گئے اور آپ پیش مرد کلے یا مال شو کا نقش ثانی بن گئے۔

**اعتماد کلی اور رسوخ** | آپ کو مرشد برحق کی خدمت میں جو اعتماد کلی اور رسوخ حاصل ہوا اور دوسرے کو حاصل نہ

ہو سکا۔ مرشد برحق اکثر مواقع پر حاضرین سے اسکا برملا اظہار فرماتے تھے۔ حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی اپنی کتاب ”نفحات الانس“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی مقبولیت کا اندازہ مرشد کامل کے اس قول سے ہوتا ہے کہ ”جو طالب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو وہ عبید اللہ کی طرح حاضر ہو۔“

**زراعت** | عرصہ تک مرشد برحق کی خدمت میں رہے اور توجہات و فیوضات مرشدی سے مالا مال پھر وقت نے کروٹ بدلی اور کاد الفقر ان یکن کفر کی تعلیم پاکر دولت و ثروت سے نوازے گئے۔ اسی سو سال آپ اپنے وطن تاشقند واپس تشریف لائے۔ کچھ زمین آپ کے پاس آبادی تھی اور کچھ زمین چھوٹے پیمانہ پر لیکر کاشتکاری شروع کی۔ قدرت نے رہبری کی اور قلیل عرصہ میں وافر آمدنی ہونے لگی۔ آپ خود کام کی نگرانی فرماتے۔ آب پاشی اور دیکھ بھال کرتے۔ باغبانی اور زراعت سے آپ کو ہزار ہا روپے کی آمدنی تھی لیکن دولت کی یہ ریل پیل محض فخر و مباہات اور عیش و آرام کے لئے نہ تھی۔ خلق خدا اس سے مستفید ہوتی۔ حاجتمند لوگ اس فائدہ اٹھاتے۔ محتاج اور مفلس اپنی ضروریات پوری کرتے۔

**تعمول و عنایت** | رشحات کے مصنف جب پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی مالی حالت دیکھ کر ششدر رہے۔

اسے عجب اتفاق ہے کہ رشحات کے مصنف ملا فخر الدین علی بن واعظ کاشغری اگرچہ حضرت خواجہ کے مرید نہ تھے لیکن عقیدت و محبت ان سے اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جب رشحات تصنیف کرنے لگے تو کتاب مذکور کے بیشتر صفحات آپ ہی کے حالات اور ثناء و صفت سے بھر گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب صرف آپ ہی کے حالات میں تصنیف فرمائی ہے۔ آپ خواجہ کلاں ابن سعد الدین کاشغری سے بیعت تھے اور ان سے نسبت نوشی بھی حاصل تھی (یعنی ان کی پوتی منسوب تھیں)۔

پھر مولانا عبدالغفور لاری کی خدمت میں آکر تجدید بیعت کی۔ گویا ہر دو بزرگان گرامی منزلت کے نظر یافتہ رہے۔ جب خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی ہمہ گیر شخصیت اور انفرادی حیثیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ پہلی ہی ملاقات میں ہوش و ہواس کھو بیٹھے اور نسبت حجتی نے ایسا اثر دکھایا کہ آپ کے فضائل و مناقب کا دم بھرنے لگے۔ ذیقعدہ ۸۸۹ھ کے بعد کا عرصہ دوسری حاضری کی تمنا میں گزرا اور جب اس تمنا کی چار سال بعد اوائل ربیع الآخر ۸۹۳ھ میں تکمیل ہوئی تو

بقیہ اگلے صفحہ پر

گئے۔ رشحات میں صفحہ ۱۲۶ پر آپ کی فارغ البالی اور معمول کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ  
 "مال منال ضیاء و عمارت کلام و مویشی و اسباب یعنی آپ کا مال و دولت۔ جاگیریں۔ مویشی اور  
 و املاک حضرت ایشاں از حد و اندازہ افزون و محیطہ و ضا مال و اسباب حد و اندازہ سے زائد اور حساب  
 دائرہ شمار بیرون۔"

پھر لکھتے ہیں کہ جب میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے ضلعداروں اور کارکنوں سے معلوم  
 ہوا کہ آپ کے تیرہ سو فارموں سے زائد ہیں اور مزید چند فارم آپ نے خریدے ہیں۔  
 مولانا عبدالرحمن جامی جو آپ کے مخصوص معتقدین میں تھے اپنی کتاب "یوسف زلیخا" میں آپ  
 کے اسی غنا و ثمول کی خبر دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ سہ

ہزارش فررمہ در زیر کشت است کہ زاد رفتن را بہشت است

بقیہ عاشیہ گذشتہ شدت جذبات میں قلبی واردات نہ روک سکے اور وہ قلب کی گہرائیوں سے نکل کر بے اختیارانہ زبان پر  
 جاری ہو گئے۔ قلب و روح کے احساسات اور نیاز مندی و عقیدت کے بلے جلے جذبات نے یکبارگی بھڑک کر جو صورت اختیار  
 کی اور روحانی و مادی اختراعات نے جو حیرت انگیز منظر کھینچا وہ ان کے عاشقانہ خلوص اور الہانہ جذبات و کیفیات کا آئینہ دار  
 بنے جس سے ان کی مستی و سرشاری ظاہر ہوتی ہے سہ

تو ہے وہ نازش فطرت کہ تمنا میں تیری آستانہ پہ بجز سر کو تھکائے نہ بنے

دہو ہذا۔

یار برداشت پردہ از رخسار این تمشون یا اولی الا بصار  
 لمعہ آفتاب طلعت او طلعت من مشارق اظہار  
 ہمہ اشیا ہلاک این اشراق ہمہ ذرات مجو این الزار  
 ہمہ راعاف ساخت است این ہمہ پاک سوخت است این نار  
 لمعہ اوست در مکیں و مکال... جلوہ اوست بر مین و یسار  
 نیست تکرار در تجلی او... گر چہ باشد بروں ز حد شمار  
 لیکن اُن از تجدد امثال می نماید بہ صورت تکرار  
 جملہ ذرات کون اینہا ہست کہ در اں جلوہ می کند رُخ یار

پھر لکھتے ہیں کہ جب میں اپنی حاضری کے دوران قرش پہنچا تو ایک رات ایک مقام پر آپ کے ایک ملازم عہدیدار سے ملاقات ہوئی جو آپ کے تیرہ سو فارموں میں سے ایک فارم کی آب پاشی کا نگران تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نہر پر کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ کام کا حال کیسا بتاؤں۔ نہر کھودنے کے دوران اگر ایک آدمی چلا جاتا ہے تو تین ہزار جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک روز آپ نے خود دوران گفتگو فرمایا کہ میں ہر سال سمرقند کے فارموں سے اسی اسی ہزار من غلہ صرف عشر (ٹیکس) میں سلطان احمد مرزا کے تحصیلدار کو ادا کرتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

حائریہ موعودہ در ہر آئینہ بہ آئینے.... می نماید بجا شقاں دیدار

گاہ مستور در پس پردہ گاہ مشہور بر سر بازار

گاہ در پردہ می نواز ساز گاہ بے پردہ می در اند تار

پردگی اوست با ہمہ پردہ پردہ ساز اوست با ہمہ تار

تا شود نقش پردہ شان حائل از تماشا تے نور آں رخسار

اے زیندار غیر در پردہ نیز و بردار پردہ از بندار

گردیں پردہ بار میتوا ہی روئے دل سوئے نقش بندار

آں مقیمان بار گاہ است و ان ندیمان صد رصف یار

ہمہ در بزم شوق شاہ نستان ہمہ در رزم عشق شاہ سوار

ہمہ عالی وزاں میناں علی شاہ ابرار۔ خواجہ احرار

آپ کی وفات کے بعد بھی ان کی روح ماضی کے دھند لکوں میں ان معصوم نقوش کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ چنانچہ رشتات کی ابتدائیہ میں اپنی حراماں نصیبی کی داستان شدید رنج و غم سے دھراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”میں صرف دو بار خدمت اقدس میں حاضری سے مشرف ہو سکا۔ اور اب جب کہ آپ وفات پا چکے ہیں داغ مہجوری کا علاج صرف یہی ہے کہ آپ کی باتیں آپ کا انداز۔ آپ کے حکیمانہ اقوال۔ آپ کی سیرت و کردار اور اوصاف و کمالات کی کاغذ پر ایک تصویر بنا کر اس سے اپنا دل بہلاؤں اور غم غلط کروں۔ اس کے ذریعہ نوح شدہ دل کی تسلی و تشفی کروں۔“

چوں کہ گل بگذشت و گلشن شد خراب بوی گل را از کہ جویم جز گلاب



میرے مال میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے کہ کوتنے والا (اندازہ کرنے والا) جس ڈھیر کو ہزار من کو بتا ہے  
تولتے وقت وہ چودہ سو اور پندرہ سو من نکلتا ہے ۱۵

مولانا موسیٰ (جو آپ کے مخصوصین میں تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ اپنے تحصیلداروں  
سے محصولات کی جانچ پڑتال فرما رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ استفسار فرماتے جاتے تھے کہ کس  
نے اپنی تحویل میں کتنا غلہ جمع کیا ہے چنانچہ بعضوں نے چالیس ہزار من کہا۔ بعضوں نے بیس ہزار من  
بتایا اور دس ہزار من سے کم کسی نے نہیں کہا۔ پھر باغات اور (خربوزہ وغیرہ کے) کھیتوں کی تفصیل طلب  
فرمائی۔ اسی دوران یکبارگی مولانا موسیٰ کی طرف تیز نظروں سے دیکھ کر فرمایا کہ تم مجھے دنیا دار سمجھتے ہو  
حالانکہ مجھے ان تمام چیزوں سے جو اس وقت میرے تصرف میں ہیں اس تعلق کا دسواں حصہ بھی نہیں  
ہے جو تم کو اپنے کپڑوں کے ساتھ ہے پھر نہایت غصہ سے فرمایا ۱۶

چیت دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن  
اٹھنے کے بعد کسی نے ان سے آپ کے غصہ اور ناراضگی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے کہ جس وقت ہر ایک  
اپنے اپنے محصولات پیش کر رہا تھا میرے دل میں یہ آیا کہ یہ تمام دنیاوی لوازمات آپ کو خدائے غافل  
نہ کر دیتے ہوں گے۔ آپ میرے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور بہت عتاب فرمایا ۱۷

آپ نے نہایت قلیل عرصہ میں اپنی وہی منطقی اور استدلالی قابلیتوں اور کار فرمائیوں کی  
بدولت سارے زمانہ پر اپنا سکہ جھکا دیا۔ اپنے ایک مختصر سے اشارہ پر قیصریت و کسرویت کو فنا کر کے  
اپنے تزک و احتشام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اور اپنے دور میں جو امتیازی شان اور مجتہدانہ مقام  
حاصل کیا وہ نہ صرف معاصرین کیلئے تعجب و حیرت ثابت ہوا بلکہ متاخرین کیلئے بھی حیرت انگیز ہوا  
آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم و عنایت سے مجھے ایسی قوت و کرامت عطا فرمائی ہے  
کہ اگر میں چاہوں تو ایک ذرا سے رقعہ سے خطا کے بادشاہ کو جو الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تاج و تخت  
و سلطنت چھڑوا کر تنگے پر اپنے پاس بلوالوں لیکن میں تو ہر وقت حکم خداوندی کا منتظر رہتا ہوں جو  
وہ چاہے گا وہی ہوگا۔ ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور ادب یہ ہے کہ اپنے کو حق کے ارادہ کا تابع کر لے

نہ کہ حق کو اپنے ارادہ کا تابع۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر شہنشی کو خود پر لازم کر لیں تو اس دور میں کسی شیخ کو مرید نہ ملیں  
لیکن ہم کو دوسرے کام کا بھی حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ظلم سے بچاؤں بادشاہوں سے میل جول رکھوں  
ان کے قلوب کو سحر کر دوں اور اسکے ذریعہ مسلمانوں کی حاجت برآری کروں

## ملکی خدمات اور شاہان وقت پر افتدار

مذکورہ ملفوظات سے ہم کو ان کے انقلاب کا داعی ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ دور جدید کے مفکرین مابصر  
نے جو اپنے ریشات فکر ترتیب دیئے ہیں ان سے حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی  
کے انقلاب کے سب سے پہلے داعی ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن ریشات اور مقامات عالیہ کے مطالعہ سے یہ  
بات کوئی اور مکمل پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شیخ عبید اللہ احرار نے بھی اپنے دور میں ذہنی اور روحانی انقلاب برپا  
کر کے ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل کیا اور متاخرین کیلئے ایک ایسا نقشہ اور لائحہ عمل مرتب کر دیا جو اس  
نقشہ میں وقت کے لحاظ سے رنگ آمیزی کرتے رہے۔ میرا مقصد اس سلسلہ میں ہرگز اباب علم و فن کی کاوشوں  
پر ہم کو شبشوں اور ان کے گراں قدر افکار و نظریات و تحقیقات کو کالعدم قرار دینا نہیں اور نہ ان کی اہمیت کو گھٹانا  
منظور ہے بلکہ یہ میری اپنی تحقیق ہے جو تاریخ سے فراہم ہوئی ہے اور تحقیق کے میدان میں ہر شخص "فکر میر کس بقدر اہمیت"  
اس کا مجاز ہے۔ مجددیت کے دور کا جائزہ لیتے ہوئے جہاں اور مجددین مصلحین مفکرین اور مبصرین کی مساعی جلیلہ کا  
ذکر آتا ہے وہاں عبید اللہ احرار کی مجاہدانہ خدمات۔ سرگرمیاں اور تحریکات بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں جن کا غلطہ تاشقند و  
سمرقند میں بلند ہو کر شہنشاہ بایر کے ذریعہ ہندوستان میں بھی در آیا۔ ان کی اس تحریک کو ضمنی حیثیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ  
ان کے دائرہ اثر کی وسعت سے سمرقند و تاشقند ہی محدود نہیں بلکہ ملک ہند بھی مستثنیٰ نہیں رہا تھا۔ بیسویں صدی کے  
نقاد سبھنکار۔ مورخین اور اہل دانش و بینش حضرات ان کے سلسلہ میں تقریباً خاموش ہیں اور اگر انھوں نے سلاسل کے ضمن  
میں کچھ تذکرہ کیا بھی ہے تو اول تو وہ تشنہ ہے دوسرے سطحی بھی ہے۔ انھوں نے اگر ملک سے کام نہیں لیا ہے تو بھی ان کو اور ان  
کے کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر جلا دینے اور اجاگر کر میں پہلو ہی کام ضرور لیا اور قرار واقعی اہمیت نہیں دی ہے۔

ذیل میں چند ایسے واقعات نقل کئے جاپیں جو آپ کے ملکی خدمات اور ایسے غیر معمولی و غیر العقول اقتدار کا پتہ دیتے ہیں جس سے  
شاہان وقت بھی مرعوب تھے۔ "صلح دادن حضرت ایٹان سہ بادشاہ مخالف ادریک معرکہ کی سرخی سے ایک نہایت  
دلچسپ اور تعجب خیز واقعہ سلسلۃ العارفین سے نقل ہے جس کے جامع خواجہ مولانا قاضی خود اس موقع پر موجود تھے۔

(مرزا سلطان احمد اور مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود (شاہان وقت) کی ملاقات کا واقعہ) معلوم ہوا کہ مرزا عمر شیخ نے سلطان محمود خاں کو اپنی مدد کیلئے بلایا ہے اور دونوں شاہزیہ کے مقام پر لشکر موجود ہیں سلطان احمد مرزا بھی بہت بڑا لشکر لیکر ان کے مقابلہ کو چلے اور حضرت کو بھی اپنے ہمراہ لیلیا اور یہ ظاہر کیا کہ حضرت کو صلح کیلئے لیجاتے ہیں۔ چالیس روز شاہزیہ میں قیام رہا۔ اکتالیسویں روز آق قورغان میں جو شاہزیہ کا ایک موضع ہے سلطان احمد کا لشکر فروکش ہوا دوسرے روز حضرت نے سلطان احمد سے فرمایا کہ مجھے لگیوں لائے ہوں لڑائی کے کلمہ کا نہیں ہوں۔ اگر لڑنا ہی تھا تو میرا ساتھ لانا بیکار ہوا اور اگر صلح چاہتے ہو تو میرا خیر کھلا ہے۔ مجھ کو تمہارے لشکر کے قیام نے پریشان کر دیا ہوا اب زائد کرنا ممکن نہیں مرزا نے عرض کیا کہ میرا کیا اختیار ہے جو حضور چاہیں کہتے ہیں مجھ کو ذرا بھی دریغ نہ ہو گا چنانچہ آپ سوار ہو کر مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود سے ملنے کیلئے شاہزیہ کی طرف چلے میں (مولانا قاضی) بھی حضور کے ہم رکاب تھا ان لوگوں کو جب حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو استقبال کو حاضر ہوئے اور آپ کیساتھ شاہزیہ کی جانب چلے۔ راستہ میں حضرت نے سلطان محمود خاں پر خاص التفات فرمایا۔ اور صلح کی معاملت کو طے کر دیا اور یہ قرار پایا کہ تینوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ کھڑے ہوں اور درمیان میں ایک شامیانہ لگایا جائے جس میں تینوں بادشاہ اور حضرت خواجہ تشریف فرما ہوں۔ حضرت آپس میں اسی جگہ صلح کرادیں اور شرائط کا تعین ہو جائے اس کے بعد سہ پہر تک لشکر کوچ کرے۔

دونوں لشکر صف بستہ اور اجازت کے منتظر ہیں۔ دو ملکوں کی قسمت کا فیصلہ جس باوقار صاحب علم اور بزرگ شخصیت کے سپرد ہے وہ فیصلہ سے واقف اور باخبر ہے۔ دو حکومتوں کی فرمانروائی اور حکمرانی کا مسئلہ کوئی معمولی نہیں ہے۔ دفعتاً سینیں بدلتا ہے اور احرار لوگوں کے قافلہ سالار بحیثیت ثالث نظر اٹھاتے ہیں اور دونوں فوجوں کے حمیر کو بیدار کر کے ان میں ایک راسخ اور مستحکم شے ڈال دیتے ہیں۔ پھر اپنے دست و بازو سے آلات محبت کا صحیح استعمال بتاتے ہوئے ان کے خیالات کی ہنگامہ خیزلوں کو چشم زدن میں تبدیل کرتے ہوئے اور ان کی قلب ماہیت کرتے ہوئے اس طرح دستگیری فرماتے ہیں کہ دونوں لشکر دُعا بخود متحیر اور انگشت بندال رہ جائے ہیں اور تھوڑی دیر کیلئے یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس سب کے پس پردہ کوئی ایسی ہی مخفی طاقت ہے جو وقت کی رفتار کو بدلے دے رہی ہے اور ملکوں کی قسمت تبدیل کر رہی ہے۔ اس کی بات نہ ماننا کیا ان کی تباہی و بربادی کا باعث نہ ہو گا۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر کرمست نہ کرنے میں کیا وہ خراب خستہ حال نہ بن جائیں گے۔ اسکی سرتابی اور عدول حکمی میں خیر الیاء والا کے گہرے غام میں نہ گر پڑیں گے۔ کیوں نہیں۔

ابناظرین خواجہ محمد قاضی کی زبانی اس دلچسپ واقعہ کا دوسرا پہلو (حصہ) ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت کی توجہ کا مرزا سلطان محمود خاں پر خاص اثر طاری ہوتا تھا۔ صبح تڑکے مرزا سلطان احمد کا لشکر ساز و سامان سے تیار ہو گیا۔ یہ لے ہو چکا تھا کہ سپاہی صرف زرہ نہ پہنیں باقی تمام ہتھیار لگائیں۔ لیکن بعض نے چھپا کر زرہ بھی پہن لی۔ دوسری طرف سلطان محمود خاں اور مرزا عمر شیخ کا لشکر ہتھیار بند روانہ ہوا اور موضع قہقہہ میں پہنچ کر اس نے اپنی صفیں درست کر لیں۔ حضرت پھر شاہر خہ تشریف لے گئے تاکہ سلطان محمود خاں اور مرزا عمر شیخ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ بہت دیر کے بعد آپ کے ساتھ یہ دونوں بادشاہ آئے۔ اس وقت لشکروں نے اپنی صفوں کو درست کیا۔ شامیانہ کے نصب کرنے میں اختلاف ہو گیا اور بت بہت بڑھ گئی۔ حضرت دونوں لشکروں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسی جگہ ظہر کا وضو کیا اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مرزا سلطان احمد سے میری طرف سے جا کر کہو کہ میں اکیلا تنہا اس بوڑھا پے میں تمہارے تمام لشکر اور ہتھیاروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں یہی وجہ ہے جو لشکر تباہ نہیں ہو جاتا۔ اتنا ہی کیا کم ہے۔ اب اس ضعیفی میں اس سے زائد طاقت نہیں رکھتا۔ اگر واقعی تم کو میرے ساتھ خلوص و عقیدت ہے تو دوسری طرف کے لوگوں کو (حزب مخالف کو) جہاں وہ کہیں شامیانہ لگا لینے دو۔ یہ پیغام پہنچتے ہی اس خوش اعتقاد بادشاہ نے حکم دیدیا کہ جہاں وہ لوگ کہیں وہیں شامیانہ نصب کر دو مجھ کو حضرت پر پورا بھروسہ ہے۔ اس کے بعد مرزا سلطان احمد اپنے اراکین سلطنت اور امراء کے ساتھ آکر شامیانہ میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد حضرت بھی سلطان محمود خاں اور سلطان مرزا عمر شیخ کو ساتھ لیکر تشریف لائے جب یہ دونوں شامیانہ کے نزدیک پہنچے تو مرزا سلطان احمد ان کے استقبال کیلئے اپنے امراء کو ہمراہ لیکر شامیانہ کے باہر نکل آیا۔ حضرت نے پہلے سلطان محمود خاں کو آگے بڑھایا اور مرزا سلطان احمد سے معافہ کرایا اس کے بعد سلطان مرزا عمر شیخ کو۔ دونوں بھائیوں میں معافہ ہوا۔ مرزا عمر شیخ نے بھائی کے ہاتھ کو بوسہ دینا اور رونا شروع کر دیا اور وہ بھی عمر شیخ کے گلے سے پٹار دیا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام لشکری رونے لگے اور بڑا شہوہ مچ گیا۔ اس کے بعد شامیانہ کے نیچے نشست ہوئی۔ مجلس پر ہیبت و بارعب و جلال تھی کہ میں نے ہیبت کے مارے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا تھا۔ دونوں فریق ہتھیار بند تھے کہ ذرا سی بات پر تلوار چلنے

لگے۔ میں نے محضر پیش کیا جب کھانا ہو چکا تو صلح نامہ لکھا گیا۔ حضرت نے تاشقند مرزا سلطان احمد کے قبضہ سے نکال کر سلطان محمود خاں کو دیدیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ حضرت نے جو کچھ کیا وہ صرف آپ کا تصرف اور قوت ولایت کا کمال ہے۔ آپ کی تشریف آوری کی برکت سے ایک لمحہ میں سب کے دلوں سے دشمنی لہی دور ہو گئی گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے کا مخلص بلکہ یارِ غار تھا۔ اس واقعہ سے لوگوں میں آپ کی بیست ولایت و اعتقاد اور زائد ہو گیا بعض لوگ تو یہ کہتے تھے کہ معلوم نہیں پرانے مشائخ میں سے بھی کسی میں یہ طاقت و قدرت و تصرف و ولایت تھی یا نہیں۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو دونوں لشکر کے لوگ اس طرح ایک دوسرے سے ملے جیسے بھیڑ کا بچہ بھیڑ سے۔ حضرت نے سلطان محمود خاں سے فرمایا کہ تم تاشقند چلو میں دوسرے راستہ سے آ رہا ہوں یہ فرما کر لشکر کے باہر نکلے اور مولکت کی جانب تشریف لے چلے راستہ میں میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میری کوششوں کی بابت تمہاری کیا رائے ہے۔ اس واقعہ کو یاد رکھو اور لکھ لو۔

تاریخ حبیب السیر سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ ز مورخ نے حضرت خواجہ کے حالات میں لکھا ہے:-

حکایت مشہور است و براسنہ افواہ ثقات مذکور  
نوبتے مرزا عمر و شیخ و سلطان محمود مرزا با یک دیگر  
اتفاق نموده لشکر بہ سمرقند کشیدند و سلطان احمد مرزا  
از شہر بیرون رفتہ مقابلہ و مقاتلہ برادر را پیش نہاد  
ہمت ساخت و روزی کہ ہر دو سپاہ خبر در برابر  
یک دیگر صف قتال بپا راستند ناگاہ خبر رسید کہ  
خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار دران معرکہ تشریف  
آوردند۔۔۔۔۔ خواجہ عبید اللہ ہماں جلد سیدہ  
بہ زلال مو عطت و نصیحت قتال و جدال را انطفا  
قصہ مشہور ہے اور معجز لوگوں کا بیان کیا ہوا ہے کہ  
ایک بار سلطان مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود مرزا نے  
باہم متفق ہو کر سمرقند پر چڑھائی کی اور سلطان احمد مرزا  
بھی شہر سے باہر نکل کر بھائی سے جنگ اور تالاب کیلئے کمر بستہ  
ہوئے اور جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ  
ہوئیں کہ اچانک یہ خبر پہنچی کہ حضرت خواجہ ناصر الدین  
عبید اللہ احرار اس معرکہ میں تشریف لائے ہیں  
چنانچہ خواجہ عبید اللہ غے وہاں پہنچ کر اپنے وعظ و تلقین  
سے آتش جنگ کو فرو کر دیا اور تینوں بادشاہوں میں صلح



دار و ہر سہ بادشاہ را بہ صلح و صفار را ہنہی ساختہ کرا کر ایک گروہ دوسرے سے متحد فرمایا۔ پھر اس فرمود تا در میان میدان شامیانہ ہرافرستند میدان جنگ میں شامیانہ نصب کیا گیا۔ آپ کے ارشادات کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد قاضی نے سلطان ابوسعید مرزا کا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ:-

حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے سلطان ابوسعید سے کہا کہ فلاں شخص کا ٹیکس معاف کر دو انھوں نے مان لیا اور حکم دے دیا کہ اس شخص سے نہ لیا جائے۔ کچھ دنوں بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ کی خدمت میں مجھے عرصہ سے نیاز حاصل ہے مگر نہایت نادم ہوں کہ اتنا عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ جب تمغہ (ٹیکس) شرعاً ناجائز ہے تو ایک ہی شخص کا کیوں معاف کیا جائے۔ عام رعایا اس کی معافی سے کیوں نہ مستفید ہو۔ مرزا نے اس وقت سکوت کیا اور میں بھی یہ دیکھ کر چپ ہو گیا۔ جب مرزا کے دربار سے گھر واپس آیا تو میں نے نورسعید سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے بوقت ملاقات بادشاہ سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ حضرت اقدس کے اتنا فرمانے کے باوجود بھی تمغہ کی عام معافی پر آمادہ نہ ہوئے۔ شاہ نے جواب دیا کہ میری جرات نہیں پڑی کہ حضرت کے سامنے ایسی بات کا دعویٰ کروں جس پر میری ہمت بدور سے طور پر مستعد نہیں تھی لہذا میں نے سکوت کیا۔ اب انشاء اللہ حضرت کی خواہش کے موافق عام معافی کا حکم جاری کروں گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد تمام رعایا کا ٹیکس معاف ہو گیا۔

بابر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمود مرزا خلف سلطان ابوسعید نے حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ابواب جاری کرنے میں بڑی شدت کی۔ چنانچہ بادشاہ بابر نے سلطان محمود کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی بدولت بہت سے غریب اور مفلس لوگ ٹیکس (ابواب) سے معاف تھے مگر اب ان سے بڑے ظلم اور تعدی کے ساتھ تحصیل ابواب کی جاتی ہے۔ خود حضرت خواجہ کی اولاد سے بھی سختی و تشدد کے ساتھ ابواب طلب کئے گئے۔

آپ کے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ ”فرکت“ میں قیام کے دوران ایک روز آپ نے دوات و قلم طلب فرمایا اور کچھ لوگوں کے نام ایک کاغذ پر لکھے اور ایک نام مرزا سلطان ابوسعید کا تحریر فرمایا اور اسے اپنی دستار مبارک میں رکھ لیا۔ اس وقت کسی کو سلطان ابوسعید کے نام بھی

علم نہ تھا۔ بعض مرمان خاص نے گستاخی کی جرات کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور نے اتنے بہت سے نام تحریر فرمائے لیکن اس نام (سلطان ابوسعید) کی خصوصیت سے تعظیم فرمائی اور اہمیت دی۔ وہ کون خوش نصیب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کا نام ہے کہ (مستقبل میں) ہم اور تم اور اہل تاشقند و سمرقند و خراسان سب اس کی رعایا ہوں گے اس واقعہ کے چند ہی روز بعد سلطان ابوسعید مرزا کا ترکستان سے شہرہ بلند ہوا۔ اس نے خواب دیکھا کہ حضرت اقدس نے خواجہ احمد یسوی قدس سرہ کے اشارہ پر اس کے لئے دعا مانگی۔ اس نے خواب ہی میں خواجہ احمد یسوی سے آپ کا نام پوچھا اور اسے یاد رکھا بلکہ آپ کی صورت کو بھی دل میں نقش کئے رہا جب بیدار ہوا تو لوگوں سے پوچھا کہ تم اس ملک میں اس نام و نشان والے بزرگ کو جانتے اور ان کی صورت پہچانتے ہو۔ انھوں نے کہا جی ہاں بزرگ کے بارہ میں حضور دریافت فرما رہے ہیں وہ تاشقند میں ہیں۔ مرزا نے جب یہ سنا تو اسی وقت سوار ہو کر تاشقند روانہ ہو گیا۔ جب تاشقند پہنچا اور حضرت نے اس کی آمد کی اطلاع سنی تو فرکت تشریف لیگئے۔ جب وہ تاشقند آیا تو لوگوں سے یہ معلوم کر کے کہ آپ فرکت تشریف لیگئے ہیں۔ خود بھی فرکت روانہ ہو گیا۔ جب فرکت پہنچا تو آپ نے اس کا استقبال فرمایا۔ جیسے ہی اس کی نظر آپ پر پڑی بے قرار ہو گیا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ وہی بزرگ شخصیت ہے جس کی مجھے خواب میں زیارت ہوئی تھی۔ پھر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور نیاز مندانہ دعا کیلئے عرض کیا آپ نے فرمایا ایک دعا تو میں کر چکا ہوں۔ (اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد) ایک بہت بڑا شکر اس کے گرد جمع ہو گیا اور اس کو سمرقند فتح کرنے کی خواہش ہوئی چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش اور ارادہ کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ نگاہ کرم کا امیدوار اور توجہ کا خواستگار ہوں۔ فرمایا کس نیت سے جارہے ہو۔ اگر شریعت کو تقویت پہنچانے اور رعایا پر شفقت کرنے کی نیت ہے تو جاؤ۔ تمہارا جانا مبارک ہے اور فتح تمہاری ہے۔ عرض کیا کہ ”شریعت کو تقویت پہنچانے میں جان توڑ کوشش کروں گا اور رعایا پر شفقت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ اس کے کہنے پر آپ نے فرمایا کہ جاؤ شریعت کی پناہ میں جاؤ کامیابی سر دست ہے۔ بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بوقت روانگی سلطان ابوسعید مرزا سے فرمایا کہ تم جب دشمن کے مقابل

ہونا تو اس وقت تک اس پر حملہ نہ کرنا جب تک کوؤں کا ایک جھنڈ تمہاری پشت پر سے نہ آجائے چنانچہ جب سلطان ابو سعید کا لشکر مرزا عبداللہ کے لشکر کے مقابل ہوا تو مرزا عبداللہ کی فوج نے سلطان ابو سعید کے مہمنہ پر حملہ کر کے اسے پسپا کر دیا اور میسرہ پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ اچانک کوؤں کا ایک بڑا جھنڈ سلطان ابو سعید کے لشکر کے عقب سے نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر لشکریوں کے دل قوی ہو گئے اور انھوں نے یکبارگی مرزا عبداللہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں اس کے لشکر کی صفیں الٹ دیں۔ اور مرزا کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ فوراً اس کو گرفتار کر کے اس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

حسن بہادر بیان کرتے تھے کہ میں اس لشکر کے ہمراہ تھا جو مرزا سلطان ابو سعید نے تاشقند سے سمرقند روانہ کیا تھا۔ آپ ہفتو مرزا عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور صفیں درست ہوئیں میں مرزا سلطان ابو سعید کے نزدیک تھا۔ مرزا کا لشکر تقریباً سات ہزار تھا اور اس کے مقابلہ میں مرزا عبداللہ کا لشکر بہت زائد تھا۔ اسی دوران ہمارے لشکر سے ایک ہزار سوار نکل کر مرزا عبداللہ کے لشکر میں چلے گئے۔ یہ دیکھ کر مرزا سلطان ابو سعید نہایت مضطرب اور خوفزدہ ہوئے اور میں مرزا کے نزدیک تھا۔ اچانک انھوں مجھ سے کہا کہ اسے حسن تم کچھ دیکھ رہے ہو۔ میں نے کہا۔ جہاں پناہ! میں حضرت خواجہ کو دیکھ رہا ہوں کہ لشکر کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ مرزا نے کہا کہ میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا اب آپ مطلق فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ اسی دوران میری زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ”باغی قاحتی“ یعنی دشمن بھا گیا۔ ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ تمام لشکر نے بھی یکبارگی یہی الفاظ دہرائے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مرزا عبداللہ گرفتار ہو گیا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی اور اسی روز سمرقند فتح ہو گیا۔ نیز وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدس نے فرمایا۔ جس وقت مرزا عبداللہ قید کیا گیا میں تاشقند میں متوجہ تھا۔ دیکھا کہ آسمان سے ایک سفید پوش قوم اتری اور عبداللہ کو پکڑ کر کام تمام کر دیا۔

(مرزا سلطان محمود کا سمرقند کے محاصرہ کے لئے آنا اور شکست کھانا)  
جب سلطان محمود مرزا کی اپنے بھائی سلطان احمد مرزا پر چڑھائی کی خبر  
اور سمرقند پر محاصرہ کا ارادہ حضرت اقدس کو معلوم ہوا تو سلطان محمود مرزا  
کو اس کے اس اقدام پر تنبیہ فرماتے ہوئے اس مضمون کا خط تحریر  
فرمایا۔

..... بعد سلام کے معلوم ہو کہ تم کو سمرقند پر  
چڑھائی کرنا کسی طرح زیبا نہیں ہے کیونکہ اکابر نے سمرقند  
کو بلند و محفوظ کہا ہے اور لکھا ہے اپنے بھائی پر تلوار اٹھانا  
کسی طرح مناسب نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم دیا ہے اور نہ  
شریعت محمدی ہی اسکی اجازت دیتی ہو..... محض لوگوں کے  
اکسا دینے اور ورغلا دینے پر اس ملک پر فوج کشی کرنا  
ان کے مقابلہ میں فیکری بات قبول نہ کرنا کیا تم کو اچھام ہو گیا  
ہے سمرقند میں امرا، صلیاء اور فقرا و بکثرت ہیں ان کو  
اب اس سے ڈانڈ پریشان کرنا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ  
کسی کا دل دکھ جائے اور اسکو بھیس پہنچے اور عاقلین  
کر بیٹھے۔ لہذا اس فیکری عرض جو بے غرض ہے اور خلاصاً

”بعد از رفع نیاز عرضداشت این فقیر بملازمان حضرت  
مخدوم زادہ خود آں کہ سمرقند را بلند و محفوظہ اکابر  
گفتہ اند و نوشتہ قصد سمرقند از خدمت شما مناسب  
نمی نماید تیغ بروئے برادر کشیدن چه مناسب بحق  
سبحانہ بایں نہ فرمودہ است و شریعت محمد رسول اللہ  
انچنین نیست..... بسخن مردم قصد این ولایت  
کردن و سخن فقیر قبول نہ کردن عجیبی نماید.....  
در سمرقند عزیز بسیار اند و صلیاء بسیار اند فقرا بسیار اند  
ایشان را پیش ازین بہ تنگ آوردن مناسب نیست  
مبادا کہ دے درو کند تا دل دردمند چه کند.....  
ملتقمس این فقیر کہ خدمت بے غرض است خالصتہ لوجہ

لوجہ اللہ ہے قبول کی جائے

سبحانہ قبول کنید“ اے

(ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن۔ اجابت از در حق بہر استقبال می آید)

سلطان محمود نے آپ کے اس فرمانے اور تحریر کا مطلق اثر نہ لیا اور  
سمرقند کے محاصرہ پر کمر بستہ ہو گیا۔

خدا ہمت ساز جن میں بیشتر سپاہی تھے اور اس محاصرہ و جنگ میں موجود تھے۔ بیان کرتے تھے کہ جب مرزا سلطان محمود نے سمرقند پر چڑھائی کی تو ہزار ہا جنگجو، فوجیوں کے علاوہ چار ہزار ترکمانی بھی ہمراہ تھے۔ سلطان احمد نے اسکے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر فرار ہونے کا ارادہ کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اضطراب اور ارادہ ظاہر کیا اور اجازت مانگی۔ آپ اس وقت شہر کے مدرسہ میں تشریف فرما تھے یہ گفتگو سن کر فرمایا اگر تم فرار ہو گئے تو یہ سمجھ لو کہ تمام باشندگان تاشقند قید ہو جائیں گے یہیں رہو۔ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پریشان نہ ہو۔ ہمت رکھو اور مطمئن رہو۔ میں تمہارا ذمہ دار ہوں۔ اگر دشمن شکست نہ کھا جائے تو میں مواخذہ دار (جواب دہ) ہوں گا پھر مرزا سلطان احمد کو مدرسہ کے حجرہ پر چڑھ کر ایک دروازہ کا تھالائے اور خود بدولت اس حجرہ کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک تیز رفتار اونٹنی منگوا اور اس پر کئی روز کا زاد راہ رکھ کر حجرہ کے سامنے سلطان احمد کے روبرو بٹھادیا اور فرمایا کہ اگر سلطان محمود کا سمرقند پر قبضہ ہو جائے اور وہ اس دروازہ سے جنگ کرتا ہوا اندر داخل ہو تو تم اپنے مخصوصین کیساتھ اس اونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جانا۔ یہ تدبیر بتا کر مرزا کو تسکین دی۔ پھر مولانا سید حسن مولانا قاسم میر عبد الاول۔ اور مولانا جعفر کو (جو آپ کے جلیل القدر اصحاب ہیں تھے اور ان کا ذکر تیسری فصل میں آئے گا) طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ جلد جاؤ اور اس دروازہ کے اوپر جہاں سلطان محمود ہے جا کر بیٹھ جاؤ۔ اور جب تک اس کا لشکر شکست کھا کر فرار نہ ہو جائے میرے پاس نہ آنا۔۔۔ وہ چاروں حکم کے مطابق اس دروازہ پر جا کر بیٹھ گئے اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے مولانا قاسم بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ جیسے ہی اس برج پر جا کر بیٹھے تو (ایسی حالت طاری ہوئی) کہ اپنے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا بلکہ اپنا وجود بھی نظر نہ آتا تھا اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ خود حضرت اقدس تشریف فرما ہیں اور سارا عالم آپ ہی کے وجود مبارک سے پُرس ہے واقعہ بیان کرنے والا کہتا تھا کہ ہم سپاہیوں کی ایک جماعت ”پل رواں“ کے سامنے سلطان محمود مرزا کے لشکر سے جنگ میں مصروف تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسے فتح ہو جائے گی اور میل یک عنبر کی حیثیت سے گھڑی گھڑی کی خبریں دروازہ کے اوپر مراقب بیٹھے ہوؤں کو پہنچا رہا تھا اور وہ سر جھکائے منتظر بیٹھے تھے۔ دوپہر تک جنگ مزید طول پکڑ گئی قریب تھا کہ دشمن فتح پا جائے اور شہر یوں کا حال یہ تھا کہ ان کے اوسان خطا ہو جا رہے تھے۔ اچانک دشت چپاق کی جانب سے نہایت تیز آندھی اور سخت طوفان اٹھا اور مرزا سلطان محمود کے لشکر اور لشکر گاہ پر

چھکراے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گرد و غبار کا حال یہ تھا کہ کسی کو آنکھ کھولنے تک کی مجال نہ تھی اور ہوا کی تیزی کا حال یہ تھا کہ نہ تو سوار گھوڑے پر ٹھہر سکتا تھا اور نہ پیادہ زمین پر جتنے نیچے اور شامیانے نصب تھے سب کو اس تیز آندھی نے جڑ سے اکھاڑ کر فرش زمین کر دیا۔ غرض کہ ایک طوفانِ عظیم اٹھ کھڑا ہوا اور قیامت برپا ہو گئی اس وقت سلطان محمود مرزا اپنے امراء اور فوجی افسران کی کافی بڑی جماعت کے ساتھ ایک وسیع سرنگ میں سوار کھڑا تھا۔ اچانک سرنگ کا کنارہ پھٹا اور ایسی خوفناک آواز آئی جس سے چار سو آدمی دھنس گئے۔ اور جو سواریاں دیوار کے سایہ میں تھیں ہلاک ہو گئیں اور اس ہیب آواز سے گھوڑے اپنی راسیں تڑا کر بھاگنے لگے۔ ہر چند کہ گھوڑے سوار نہایت طاقتور اور جبری تھے لگائیں کھینچنے کے باوجود ان پر قابو نہ پاسکے اور تمام لشکر کی بارگی درہم ویرہم ہو گیا اور شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔ اور سلطان محمود مرزا اس کے امراء اور لشکریوں پر ایسی دہشت غالب ہوئی کہ سب کے سب اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ کر تیزی سے شہر کے دروازہ سے نکل گئے۔ یہ دیکھ کر سلطان احمد مرزا کے فوجیوں اور شہریوں نے پانچ کوس تک ان کا پیچھا کیا۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ وہ چاروں حضرات برج سے اتر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور صورتِ حال عرض کی) آپ نے مرزا سلطان احمد کو حجرہ سے باہر نکال کر تختِ سلطنت کی جانب روانہ فرمایا اور خود خواجہ کفیشہ کے محلہ میں تشریف فرما رہے۔

ایک بار مرزا بابر نبیرہ مرزا شاہ رخ نے دو ہزار کا لشکر لیکر سمرقند پر چڑھائی کی۔ مرزا سلطان ابوسعید نے حضرت کی خدمت میں اگر عرض کیا کہ مجھے اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں حضور فرمائیں کہ میں کیا کروں۔ آپ نے اسکو تسلی دی۔ جب مرزا بابر آبِ آمویہ سے گذرا تو اس کے امراء یہ سیاست چلے کہ مرزا کو ترکستان لے جا کر ترکستان کو محکم کریں۔ اونٹوں پر سامان لادنا چکا تھا کہ آپ تشریف لائے اور ان کی سیاست سے واقف ہو کر شہر بانوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور فرمایا کہ اونٹوں سے سامان اتار لیا جائے اور مرزا سے فرمایا کہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے کام اسی جگہ ہوگا میں نے تمہارا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے تم قلعی کوئی فکر نہ کرو۔ بلکہ مطمئن رہو۔ بابر کی شکست میرے ذمہ ہے۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر بعض افسران نے اپنی پگڑیاں یہ کہتے ہوئے زمین پر پھینک دیں کہ حضرت خواجہ سب کو مار ڈالتے ہیں۔ لیکن مرزا کو چونکہ آپ پر مکمل یقین تھا لہذا ان کی کسی



بات کی ذرہ برابر پروانہ کی اور بلا چلن و چہرہ لگ گیا۔ جب مرزا بابر سمرقند کی فہیل کے قریب پہنچا تو اسے پیشرو لشکر کے سردار خلیل مند و سہ (جو سمرقند میں نماز گاہ پر ٹھہرا ہوا تھا) شہر کے تھوڑے آدمیوں نے نکل کر جنگ کی اور خلیل مند و کو گرفتار کر لیا۔ اور اس سے زائد سیاست داں کوئی شخص نہ تھا۔ جب مرزا بابر سمرقند کی فہیل کے قریب اترا تو سمرقند کے ان لوگوں کو جو اپنی اپنی ملازمتوں پر گئے ہوئے تھے مرزا بابر کے لشکر نے گرفتار کر لیا۔ بعضوں کو قتل کر ڈالا اور بعضوں کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ بابر کا لشکر بہت زائد مقتول ہوا اور بعض ناک کان کٹنے کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ چند ہی روز بعد اس کے گھوڑے بھی مرنا شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے گھوڑے ضائع ہو گئے اور لوگ مردہ گھوڑوں کی بدبو سے پریشان ہو گئے۔ آخر کار مرزا بابر نے مولانا معانی کو صلح کیلئے حضرت اقدس کے پاس بھیجا اور صلح کیلئے عرض کیا۔ ملاقات کے دوران مولانا محمد سے عجیب باتیں واقع ہوئیں۔ (یعنی) ہمارے مرزا بڑے عالی ہمت ہیں جس سمت بھی رخ کرتے ہیں۔ بغیر فتح سکے واپس نہیں آتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر مرزا کے والد کے مجھ پر احسانات نہ ہوتے تو انہیں پٹہ چلتا۔ پھر صلح پر راضی ہو گئے مرزا بابر نے اپنے اراکین سلطنت سے کہا کہ حضرت خواجہ تو صلح پر راضی ہیں لیکن سلطان ابو سعید راضی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مرزا سلطان ابو سعید سے پوچھا جائے کہ آخر وہ ہم کو کیوں صلح کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں مرزا ابو سعید نے کہا مرزا بابر نہایت چالپوس اور احمق ہے اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے ملازمین ان کے ملازمین سے مل جائیں اور ہمارا سارا کام دھواڑہ جائے۔ کیوں کہ ہمارے سارے امور آپ ہی کی عنایت سے وابستہ ہیں۔

آخری بار جب حضرت اقدس کمانگراں تشریف لے گئے تو مرزا عمر شیخ کا ایک غلام قنبر علی نام جو شاہرخیہ میں تھا، مصالحت کیلئے آیا آپ نے بھی صلح کیلئے مبالغہ فرمایا لیکن جب مرزا سلطان احمد کے امرار صلح پر راضی نہ ہوئے تو آپ نے (لہجہ بدل کر) فرمایا کہ ”خیر اگر وہ نہیں ملتے ہیں تو جائیں لیکن یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم زندہ رہ گئے تو صلح کرنا نہیں گے اور اگر نہ رہے تو ہماری روح صلح کرائیگی“ اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت اقدس شاہرخیہ اور تاشقند تشریف لگئے۔ مرزا عمر شیخ اپنے ایک معتمد کو شاہرخیہ میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ وہ معتمد شاہرخیہ کی حفاظت نہ کر سکا۔ اور شاہرخیہ ان کے قبضہ سے نکل گیا۔ شاہرخیہ فتح ہونے کے بعد میر سید یوسف غلامی اور امرار

ایک جماعت نے نیز بعض ان حکام نے جو حضرت پر اعتقاد نہ رکھتے تھے اور آپ کی ولایت راضی نہ تھے اور شان کو یہ تسلیم تھا کہ ملک آپ کے قبضہ اقتدار میں دے دیا جائے (یہ طے کیا کہ مشقہ۔ میرام اور اندگان کیلئے جائیں اور آپ کے مواضع کی پیمائش (دیلیوشن) کر کے اس کی قیمت آپ کو دیدی جائے تاکہ وہ تمام مواضع اپنے ہو جائیں۔ یہ تجویز پاس کر کے میرسید شاہرخیہ سے تاشقند چلے گئے۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی شامی چک خاں فرار ہو کر تاشقند میں داخل ہو گیا۔ ایک روز جب کہ لوگ جنگ کے لئے تیار تھے خواجہ علی نام جو سلطنت کا ایک بڑا بھاری ڈالاک تھا اس کے قتل کے بعد میرسید یوسف فرار ہو گئے اور مرزا کے تقریباً پانچ چھ ہزار افراد آب پرکٹ ہلاک ہو گئے۔ اور مرزا تباہ و برباد و خستہ حال ہو کر چند اشخاص کے ساتھ آئے۔ اور فرار ہونے کے بعد بعض معتقدین نے افسر علی سے کہا کہ یہ جو کچھ تباہی ہوئی ہے وہ محض تمہارے حضرت اقدس سے اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے ہوئی ہے (اب خیریت اسی میں ہے کہ تم حضرت کے مواضع کی پیمائش کئے بغیر واپس جاؤ۔ منقول ہے کہ جو لوگ پیچھے سے اگر شکر میں مل گئے تھے۔ وہ بہت تھوڑے تھے۔ لیکن سپاہی کہتے تھے کہ ہم کو زمین پر ہنس و خاشاک ایک سولہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔ اور ہمارے کانوں میں تلواروں اور فیروں کی آوازوں کے سوا کوئی آواز نہیں آرہی ہے۔ امیر درویش محمد خاں جو ایک منصف آدمی اور آپ کے معتقد تھے..... رو کر کہتے تھے کہ یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو آپ کی روح سے ہم کو پہنچا ہے۔ کیونکہ ہم نے آپ کی بات پر عمل نہ کیا۔

ایک بار تاشقند میں مرزا عمر شیخ کو مسلمانوں پر ٹیکس لگانے کا خیال آیا۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو مسلمانوں کو چٹکارا دلانے کیلئے تاشقند تشریف لگئے اور باون ہزار دینار اسکو دیکر دیئے کہ ایک سال تک مسلمان اس ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں۔ پھر دوبارہ شتر ہزار دینار مزید مسلمانوں کے رفاہ عام کیلئے عطا فرمائے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر اسے مسلمانوں پر ٹیکس لگانے کا خیال آیا مولانا ہلال (جو آپ کے مخلص معتقد تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک روز آپ تاشقند سے فرکت تشریف لئے جارہے تھے۔ مولانا عبدالوہاب (جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے اور مرزا شیخ کی خدمت میں بڑا رسوخ رکھتے تھے) اور میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اچانک مجھے گھوم کر چہرہ سے فرمایا پیچھے آئیو ان لوں سے کہہ دو ابھی قریب نہ آئیں مجھے عبدالوہاب سے کچھ

خاص باتیں کرنا ہیں۔ میں نے آپ کا ارشاد ان لوگوں سے دہرایا۔ چنانچہ کوئی شخص قریب نہ آیا۔ اور سب اسی طرح چلتے رہے۔ اچانک دور پر ایک بارہ سنگھا نظر آیا۔ یہ دیکھ کر سب اسکی جانب دوڑے۔ صرف میں اور مولانا عبدالوہاب رہ گئے۔ حضرت اقدس نے مولانا عبدالوہاب سے فرمایا کہ ”جاؤ اور عمر شیخ سے جا کر کہہ دو کہ اگر وہ اس قسم کی باتوں سے باز نہیں آئیگا تو میں اسے مار ڈالوں گا۔ ابو سعید۔ قباد۔ ملک اسلم اور محمد خان سب میرے ہی مارے ہوئے ہیں اور چند دوسرے لوگ بھی میرے ہی ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ایسا کہ مجھے (ان) قبرستانوں سے گذرتے شرم معلوم ہوتی ہے (جہاں وہ دفن ہیں) یہ فرما کر مولانا عبدالوہاب کو لب آب پرک روانہ کر دیا قباد اور ملک اسلم کا قصہ یہ تھا کہ سلطان دلیں نام (جو مرزا سلطان ابو سعید کی اولاد میں تھا) جب مخالفت کر کے ترکستان گیا تو قباد اور ملک اسلم کو تاشقند کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے حضرت کی شان میں بڑی گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں۔ یہ خبر جب آپ کو پہنچی تو چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ ”جب تک ان کے سر حمام کی نالی میں نہ دیکھ لوں گا مجھے چین نہ آئے گا۔“ چند ہی روز بعد سلطان دلیں نے اگر تاشقند پر قبضہ کر لیا اور ان دونوں کے سروں کو کاٹ کر حمام کی نالی میں ڈال دیا۔

آپ کے ایک مخلص عزیز بیان کرتے تھے کہ جس وقت سلطان احمد مرزا اور عمر شیخ سلطان محمود خاں پر حملہ آور ہوئے اور شاہرخیہ و تاشقند پر چڑھائی کی۔ مولانا محمد زعفرانی جو آپ کے معتقد اور خادم تھے اپنے اہل و عیال کو اس گاؤں سے شہر لے آئے۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے میں نے خواب دیکھا کہ میں شاہرخیہ کے ایک گاؤں میں ہوں اچانک ایک سوار ظاہر ہوا دیکھا تو حضرت اقدس ہیں تلوار کمر پر بھی ہے۔ مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ سوار ہوں لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ میرے تمام مواضعات پر قبضہ کر لیں۔ تم دیکھ لینا کہ میں ان سب کیساتھ کیا کرتا ہوں۔ جب شاہرخیہ پہنچے تو جتنے حکام اور افسران سامنے آتے گئے آپ سب کی گردنیں مارتے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری فوج منتشر ہو گئی۔ میں یہ خواب دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اپنا تمام مال و اسباب لیکر شہر آگیا اور واقعی (خدا کی قسم) ہر شخص نے یہ دیکھ لیا کہ وہ سب اسی طرح مقتول ہوئے جیسا مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔ بیشتر تاشقند کی جنگ میں مارے گئے اور بہت سے آب پرک میں غرق ہو گئے۔ اور مرزا سلطان احمد نے بری طرح شکست کھائی۔

نقل ہے کہ حضرت اقدس نے ایک واقعہ میں دیکھا کہ شریعت آپ کی ذات سے مستحکم ہوگی اور اسے فروغ ہوگا۔ قلب مبارک میں یہ آیا کہ یہ بات بادشاہوں کی اعانت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سلطانِ وقت سے ملنے کے ارادہ سے سمرقند گئے۔ اس وقت مرزا عبداللہ ابن مرزا ابراہیم ابن مرزا شاہ رخ سمرقند کا حاکم تھا۔ میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ جب سمرقند پہنچے تو مرزا عبداللہ کے امرا میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: میری عرض یہاں آنے سے تمہارے مرزا کی ملاقات ہے۔ مگر تم اس سلسلہ میں میری مدد کر سکتے ہو تو یہ تمہارے لئے باعثِ ثواب ہوگا۔ اس نے بے ادبانہ جواب دیا کہ ہمارے مرزا جوان بے پرواہ ہیں اور ان کی ملاقات بہت دشوار ہے اور درویشوں کو ان تمام باتوں سے کیا سروکار۔ آپ نے اس کے اس کہنے پر غصے سے فرمایا کہ ہم کو بادشاہوں سے مراسم قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ہم خود سے نہیں آتے ہیں۔ خیر اگر تمہارا مرزا پروانہ کرے گا تو کسی ایسے کو حاکم کیا جائے گا جو پروا کرے جب وہ امیر (افسر) چلا گیا تو آپ نے اس کا نام سیاہی سے دیوار پر لکھا پھر اسے آبِ دہن سے محو فرادیا اور فرمایا ہمارا کام اس بادشاہ اور اس کے امرا سے نہ ہوگا۔ اور اسی روز تاشقند کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ بعد افسر مر گیا۔ اس کے ایک ماہ بعد سلطان ابوسعید مرزا نے اطرافِ ترکستان سے ظہور کیا اور مرزا عبداللہ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔

اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں اپنے کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ میری کمر میں ایک سی بندھی ہے جس سمت میں ہوتا ہوں وہ رسی بھی اسی جانب ہوتی ہے اور یہ چیز بغیر قطبیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

الحق ان شاہ مستد ارشاد خبر از حال خورشیدن می داد

مرزا سلطان ابوسعید کہتے تھے کہ میں نے خواب میں ادیب اللہ کی ایک جماعت کو یہ فرماتے سنا کہ خواجہ عبید اللہ میں بڑی قوت ہے ان سے جنگ اور دشمنی نہیں کی جاسکتی۔ وہ جس جانب ہوں گے اور جو چاہیں گے وہی ہوگا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اور یکنے سے اس بات کو جانتا ہوں کہ جس نے مجھ سے جنگ کی یا جنگ کا ارادہ کیا وہ مغلوب ہوا اور پیش نہ پاسکا۔

ملک مقامات عالیہ ۲۸۸ سے ایضاً ۵۵۔

مرزا سلطان احمد بیان کرتے تھے کہ ایک بار خرچ کی اس قدر تنگی ہوئی کہ میں پریشان ہو گیا اور مجبور ہو کر امراء سلطنت سے یہ مشورہ کیا کہ دیہات کے لوگوں پر ٹیکس لگایا جائے سب نے میری اس تجویز پر اتفاق کر لیا پھر میں نے سوچا کہ اگر حضرت اقدس سے اپنی یہ لائقہ پریشانی اور اضطراب ہم نے عرض نہ کیا اور ہماری ضرورت کا آپ کو علم نہ ہوا تو یقیناً آپ اس تجویز کو مسترد فرمادیں گے چنانچہ امیر درویش محمد کو آپ کی خدمت میں یہ سب عرض کرنے کیلئے بھیجا وہ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ملازمین میں سے ایک شخص اندر آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نے اپنے صاحبزادہ کے ہاتھ کچھ خرچ آپ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ شاید مرزا کو خرچ کی ضرورت ہو جب ان کو شمار کیا گیا تو دس ہزار تنگہ سفید تھے مرزا یہ واقعہ بیان کرنے کے دوران کہتے تھے کہ جو شخص آپ کی کرامات جو اس فقیر کی نسبت واقع ہوئیں لکھنا شروع کر دے تو دفتر کے دفتر ہو جائیں۔

نقل ہے کہ مرزا سلطان احمد نے آپ کے ارشاد کے مطابق سمرقند کا ٹیکس معاف کر دیا تھا قحطی عرصہ بعد ان لوگوں نے جنھوں نے سابقہ ایام میں خوب فوائد حاصل کئے تھے متفق ہو کر یہ اسکیم بنائی اور مکرو فریب سے یہ چال چلی اور اسکے افسران کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ قانون پھر سے نافذ کیا جائے اور وہ بارہ اشخاص تھے جو اس اسکیم میں شریک تھے یہ خبر جب آپ کے کانوں تک پہنچی تو غصہ آگیا اور فرمایا کہ خواجہ بہار الدینؒ نے عرصہ تک جلادی کی ہے ہم بھی انھیں کے شاگرد ہیں۔ دیکھتے ہیں کس میں کتنی طاقت ہے کچھ لوگوں نے یہ بات سلطان احمد مرزا کے کانوں تک پہنچادی اس نے جب یہ سنا تو ڈر کر یہ خیال دل سے نکال دیا اسی روز ان بارہ (تھیلداروں) اشخاص میں سے ایک کو جب یہ خبر پہنچی تو (وہ ایک عقلمند اور سمجھ دار آدمی تھا) اس نے فوراً اپنی بڑی نیت سے توبہ کی اور اللہ سے مغفرت کا طالب ہوا اسی رات وہ گیارہ اشخاص ختم ہو گئے اور صبح کو ان سب کے تابوت (جنازہ) شہر سے باہر لیجائے گئے۔

ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ کی شخصیت اور وجاہت ظاہری و باطنی کا شاہان وقت پر کس قدر اثر تھا اور وہ آپ سے کتنا مرعوب رہتے تھے بادشاہوں میں آپ سے سوء اعتقاد رکھنے والے بھی تھے جن میں ایک تو سلطان محمودی تھا جس کے زمانہ کا محقر حال بابر نامہ سے

ملتے بابر نے اسکے محاسن و معائب دونوں بیان کئے ہیں لکھا ہے کہ وہ خوش خلق اور منتظم تھا لیکن شراب اور امر پرستی کا اس حد تک دلدادہ تھا کہ اس کے اہرار کے کسب بچے بھی نہ پکتے تھے بابر لکھتا ہے کہ یہ رواج اس کے زمانہ میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ ہر شخص اسکو فیشن سمجھ کر کرتا تھا اس کے دربار میں کبھی فحاش کا بھی اجرار ہوتا تھا حضرت خواجہ سے اسکو سورطن تھا سلطان محمود کے نام حضرت خواجہ کا وہ خط بھی ہے جو سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے اس کا بھائی سلطان احمد مرزا سمرقند کا بادشاہ تھا جس کے ملک پر جریدہائی کرنے کے ارادہ سے اس نے فوج کشی کی حضرت خواجہ نے اسے ایک خط بھیجا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ،، اگر تمہارا مقصد مسلمانوں کی قتل و غارت گری ہے تو اپنا مقصد پورا کر لو اور اگر سمرقند پر قبضہ کرنا ہے تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ تم کو حاصل نہ ہو سکے گا سمرقند میں بہت سے ایسے نیک لوگ بھی ہیں جو بزبان حال کہتے ہیں

بیش جسم چو خاک ستم میا گستاخ کہ ہست درتہ او آتشہ و دریا سے

ان مذکورہ واقعات سے ناظرین نے حضرت خواجہ کی ملکی و ملی مہمات کا

اندازہ کر لیا ہو گا ان کی وسیع النظری - خود اعتمادی - اولوالعزمی اور حب الوطنی جیسے اوصاف نے ان کی انفرادیت کو ایسا مستحکم کر دیا تھا کہ ملکوں کی اندرونی مسموم فضا میں قدم پر اس کے ازالہ کیلئے آپ کے تعاون - رہنمائی اور پشت پناہی کا سہارا ایسے ملے۔ آپ کے داخلی و خارجی لامحدود اثرات معاشی انصاف معاشرتی عدل نیز مختلف کوائف و حالات میں ساز و ستینز کا درجہ رکھتے تھے آپ کی زندگی ایک جہد مسلسل اور شخصیت ملک و قوم کیلئے ایک وہی حیثیت رکھتی تھی لہذا سیاسی آلائشوں سے یکدم پاک تھی - اور یہی وجہ تھی جو ہر حلقہ میں آپ وقعت و اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - زیر نظر سطور میں آپ کی سیرت اور دل افروز بصیرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں - آپ کی سوانح زندگی کے واضح نقوش تاریخی دستاویز میں آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں - تصور میں آپ کے روزنامہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوئے کہ شاید ہی کوئی لمحہ آپ کا بیکار و خالی گذرتا ہو - اپنے لاتعداد فارموں کی نگرانی ... ملکی و ملی امور میں سرگرمی - فتنہ انگیز عناصر کی سرکوبی - ملت کی تنظیم - ذہنی اصلاح - حقوق کا تحفظ - رشد و ارشاد - یاد حق اور شب بیداری نیز جملہ امور و مسائل - یہ سب چیزیں ایسی تھیں جو ان کی جامعیت اور ہمہ گیری کا ثبوت دیتی ہیں - وہ ایک درد مند اور پرسوز دل رکھتے تھے اور عشق و محبت کا ایسا سراپا



تھے جو ذاتیات میں جمال اور سیاسیات میں جلال تھا یعنی اس کے دونوں رخ طبیعت کے رنگ لے مطابق اپنے فطری میلانات میں دوگانہ تحریکات رکھتے تھے۔ ان کے خیالات۔ اور حقائق و معارف ان کے مسترشدین کے دست و قلم کے لکھے ہوئے ان کے کارناموں کا پتہ دیتے ہیں لیکن بظاہر اس سلسلہ ان کی اپنی تحریروں کے مفقود ہونے سے ان کا علمی استحقاق نظر آتا ہے لیکن محض ان کی اپنی تحریروں کے سامنے نہ ہونے سے ان کی علمی عظمت اور قد و منزلت پر نہ کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ اہمیت گھٹتی ہے اس سلسلہ میں دوسرے حضرات بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کوئی تصنیف فرمائی ہو اور وہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہی ہو۔ بہر حال اس سلسلہ میں محض قیاس کی بنا پر انگشت نللی کرنا نہ منقذین کا حق تھا اور نہ متاخرین کا۔ آپ کے ارشادِ اہل حالات۔ واقعات اور کرامات یہ سب اجتماعی حیثیت سے خود ایک جامع ملفوظ اور اچھوتے معلومات سے لبریز ایک بیش بہا تصنیف اور مبسوط تالیف ہے۔ اور ہر سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ انہیں مقالات کی روشنی میں ان تمام باتوں کا جائزہ لے اور اس کی سیرت و کردار کی کاغذ پر ایک تصویر کھینچ کر زمانہ سے روشناس کرائے۔ میری یہ مختصر اور تشنہ تحریر اس سلسلہ میں تفصیل کا موقع نہیں دیتی اور نہ میری نااہلی اور کم ظرفی اسکی متقاضی ہے کہ آپ بھی شخصیت پر تبصرہ کے سلسلہ میں قلم اٹھانے

## حالات اور واقعات (کرامات)

مولانا محمد بیان کرتے تھے کہ مرزا سلطان احمد کے واقعہ کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت ماترید میں تھے۔ جب دریائے بخارا کے کنارہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ تشریف لارہے ہیں اور بہت بڑا مجمع آپ کے ہمراہ ہے اور پورا مجمع سفید پوش ہے۔ میں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ حضور۔ سلطان احمد تو ختم ہو چکے اب ان کے بعد کون بادشاہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مرزا سلطان محمود ہونگے میں نے عرض کیا کہ اس سے تو کوئی خوش ہے نہیں سب لوگ تو اسے برا کہتے ہیں اور وہ حضور کو اور حضور کے اہل و عیال تک کو برا کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بدی

کرے گا تو اس کا غیازہ خود بھگتے گا۔ سلطان احمد کی نماز (جنارہ) میں نے جمعہ کو پڑھی ہے اس کی  
(سلطان محمود) نماز جنارہ دو شنبہ کو پڑھ لوں گا۔ اور واقعی ہوا بھی یہی کہ اس کی نماز جنارہ دو شنبہ  
کو ادا کی گئی راہ

آپ ایک بار قرش تشریف لیجا رہے تھے۔ قرش کے قریب پہنچے تھے کہ احمد نام کا ایک شخص  
جسکے سپرد آپ کے اونٹوں کی نگرانی تھی سامنے آیا اور روتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے سید احمد سارو نے  
جو عرب کا داروغہ ہے سخت اذیت پہنچائی ہے یہ سکر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا لیکن (اپنے علم  
کی بنا پر) کچھ نہ فرمایا اور (اس وقت) ٹال گئے۔ جب سمرقند پہنچے تو سید احمد سارو اور محمد علی کو  
کلتاش خدمت میں حاضر ہوئے دوران گفتگو آپ نے سید احمد سارو سے مخاطب ہو کر فرمایا  
"کہ تم نے میرے فلاں آدمی کی لاتوں اور گھونسوں سے پٹائی کی ہے سمجھ لو کہ میں بھی اس قسم کی  
پٹائی کے طریقے خوب جانتا ہوں تمہارے ساتھ بھی اسی طرح پیش آؤں گا پھر بہت غصہ سے فرمایا  
کہ میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا، اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ نے نماز پڑھی  
اور شام تک کسی سے کوئی بات نہ کی اور آپ کا رنگ دتورم دیکھتے ہوئے خود سے گفتگو کرنے لگی  
کسی کی مجال نہ پڑی تھوڑی ہی دیر بعد سید احمد بیمار ہو گیا جب تکلیف زائد بڑھی تو مرزا کو خبر  
بھیجی کہ میرا جو کچھ مرض اور تکلیف ہے وہ محض حضرت کی وجہ سے ہے میں نے آپ کے ایک  
ملازم کیساتھ بد سلوکی کی تھی جسکی وجہ سے آپ نے مجھ پر عتاب فرمایا آپ کرم فرما کر حضرت اقدس  
سے میری جانب سے معافی مانگ دیں۔ مرزا نے آپ سے عرض کیا۔ آپ نے مطلق التفات  
نہ فرمایا بلکہ تغافل برتا۔ جب مرزا نے زائد اصرار کیا کہ اسکی اس حرکت سے درگزر فرمائیں۔  
(اور اسکو ایک نظر دیکھ لیں تو آپ نے اس کے اصرار پر فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم مجھ  
سے مردہ سید احمد کے سلسلہ میں درخواست کر رہے ہو میں کوئی عیسیٰ تو ہوں نہیں جو مردہ کو  
زندہ کر سکوں۔ خیر اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں اسکی عیادت کو جاؤں تو جاتا ہوں  
یہ فرما کر روانہ ہوئے۔ جب ارک کے پھاٹک پر پہنچے تو ایک تابوت آتا نظر آیا جو سید احمد  
کا تھا یہ دیکھ کر آپ اسی جگہ سے واپس ہو گئے۔

ایک درویش نے بیان کیا کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت بیٹھا ہوا تھا کہ ایک تاجر خواجہ مصطفیٰ رومی آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ میری حسن دیوان مرزا سلطان احمد نے ایک بات کہی ہے اور باصرار یہ کہا ہے کہ اسکو حضرت تک پہنچا دو۔ آپ نے فرمایا وہ کونسی بات ہے بیان کرو۔ انھوں نے کہا،، میری حسن کہتا ہے کہ سلطان احمد کے پاس جو تھوڑی بہت جگہ رہ گئی ہے براہ مہربانی حضرت خواجہ وہ بھی لے لیں اور ہمارا بیٹھا چھوڑ دیں یہ سنتے ہی آپ کا رنگ بدل گیا۔ ریش مبارک کے بال کھڑے ہو گئے اور غصہ سے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ کتنا مجھے چوکے سے رہا ہے اور اسی حالت میں گھر کے اندر چلے گئے۔ پندرہ روز بعد میری حسن کو یہ حادثہ پیش آیا کہ مرزا سلطان احمد نے غصہ سے یہ حکم دیا کہ اس کی زندہ کھال کھینچ لی جائے۔

شیخ ابو سعید آبریز بیان کرتے تھے کہ ایک بار حضرت اقدس ابتدائے حال اور نوجوانی میں ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور ہم سب لوگ معہ متعلقین و اولاد آپ کی خدمت گزاری میں مصروف تھے۔ اور عجیب و غریب حالات و جاذبات مشاہدہ کر رہے تھے جس سے ہمارے عقاید مزید پختہ ہو گئے تھے ایک روز میرے بڑے بھائی روتے ہوئے آئے کہ اسد جوئی بان کے لڑکے نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی ہے اور بہت سخت کشت کھا ہے اسی اثنا میں میری والدہ اگلیں اور انھوں نے نہایت مضطرب ہو کر عرض کیا کہ حضور میرے اس لڑکے پر خاص توجہ فرمائیں وہ شخص نہایت ظالم و فاسق ہے اور بہت سے فقرار کو اس سے نقصان پہنچا ہے آپ والدہ ماجدہ کے اضطراب اور پریشانی سے بہت متاثر ہوئے اتنے میں ظہر کا وقت آگیا آپ نے ناز پڑھی اور ناز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ کتنا ہمارے ناز پڑھنے کے دوران آگیا ہم نے اس کا کام تمام کر دیا تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص سے کسی سے جھگڑا ہوا جس نے اس کی خوب درگت بنائی چونکہ ہمارے باپ دادا وغیرہ سب آپ ہی کے مخلص و شہین خادم تھے لہذا آپ اکثر ہمارے غریب خانہ پر تشریف لایا کرتے تھے جب آپ دوبارہ تشریف لائے تو والدہ نے آپ سے عرض کیا کہ حضور کے کرم و عنایت سے دشمن نے خوب سزا پائی آپ نے فرمایا اس روز جو ہم نے کہا تھا وہ واقعہ ابھی پیش نہیں آیا ہے بلکہ اب پیش آئے گا اس کے کچھ ہی دنوں بعد کسی جرم کی سزا میں بادشاہ نے اسے گھوڑے کی دم میں باندھ کر لاک کر دیا۔ پھر بیڑوں اور گوشت کے ٹکڑوں کو جمع کر کے جلوا دیا۔

نقل ہے کہ عبدالرزاق نام کے ایک ڈاکو کو جو اپنی بدی اور دلیری میں مشہور تھا خواجہ مولانا نے حضرت اقدس کو قتل کر دینے کے لئے ایک بہت بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا۔ وہ راضی ہو گیا کہتا تھا کہ تین بار آپ میرے سامنے سے تنہا گزرے لیکن باوجود کوشش آپ پر ہاتھ ڈالنے کی میری ہمت نہ پڑی اور آپ مجھے دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ جب مرزا عمر شیخ کے آدمیوں کے ہاتھوں وہ گرفتار ہو کر تاشقند لائے گئے تو آپ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ جب آپ کو اس کی گرفتاری کا علم ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ مرزا نے ان کے قتل کا حکم دیدیا ہے تو فرمایا اگر وہ سچ بات کہہ دے جو خواجہ مولانا نے اس سے کہی تھی اور اس نے اسے منظور کر لیا تھا تو میں اسے رہائی دے دوں گا۔ اس نے یہ سن کر تمام باتوں کا اقرار کیا۔ آپ نے اسے طلب فرما کر رہائی دی۔ مولانا حاجی منشی (جو آپ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے) بیان کرتے تھے کہ جب تنہائی ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ مجھے اس بات پر سخت تعجب ہے کہ حضور کو اپنے ملازمین میں سے کسی کی اگر ذرا سی بات بھی ناگوار ہوتی ہے تو وہ بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ خواجہ مولانا کی یہ حرکت اور عداوت تو کھلم کھلا تھی اس کے اس طرح درگزر کرنے میں کیا مصلحت تھی (یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی) آپ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ وہ ایک باطل زندگی رکھتا ہے ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ (آپ کے اس فرمانے پر) انھیں ایام میں اسے ایک ایسا مرض ہو گیا کہ اپنے فضلات (پاخانہ، پیشاب) سے کھیلنے لگا۔ اور اطباء اس کا مرض تشخیص ہی نہ کر سکے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز آپ اپنے گاؤں "دانج" تشریف لیجا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں ایک قلندر سامنے آیا اور گستاخانہ کہنے لگا کہ اسے دنیا دار کتنی دنیا اور جمع کر دگے اور شان اقدس میں اور بھی بے ادبی کی باتیں کیں۔ آپ نے (اپنے حلم کی بنا پر) سکوت فرمایا اور دانج چلے گئے۔ شب میں وہی قیام فرمایا۔ صبح کو مجھے شہر بیجا اثنائے راہ میں جس جگہ وہ قلندر ملا تھا ایک قبرستان تھا جہاں لوگوں کا جم غفیر اکٹھا تھا اور کچھ لوگ قبر کھود رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ قبر اس شخص کی کھودی جا رہی ہے جس نے کل اسی جگہ حضرت کی شان میں بے ادبی کی تھی اور نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔

سے مقام عالیہ ۱۷۵۰ء ایضاً ۱۷۵۲ء





ملاحسن قوتور روئی بیان کرتے تھے کہ ایک روز غیر سے دل میں آیا کہ آپ سے میری اجازت مانگ کر شیخ زادہ الیاس کی خدمت میں جو کوہ نور پر رہتے ہیں جاؤں۔ اچانک آپ نے میری جانب بکھ کر شہر ٹھہرا تو کوہ کجا روی بہ من باشن امروز معاذ در جبل نیست

مجھ کو اپنے اس ارادہ سے نہایت خدامت ہوئی اور اس کو ترک کر دیا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک بار آپ قرش سے تشریف لارہے تھے شب میں ایک مقام ”صدر جہاں“ پر قیام فرمایا۔ صبح کو جب شہر کی جانب روانہ ہوئے تو بے کیف اور بے لطف سے تھے۔ مولانا لطف اللہ آپ کی خدمت میں بشاش بشاش حالت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پہچان گئے ہو۔ مجھے آج تک کوئی پہچان نہیں سکا ہے۔ مجھ پر جو بھی مکشوف ہوتا ہے اگر میں اسے ظاہر کروں تو (دماغوں کی رگیں پھٹ جائیں) اور

کارخانہ عالم کا بھیجا باہر آجائے پھر یہ اشعار پڑھے۔

ہر کسے از طلق خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

بہر من از نالہ من دور نیست لیک کس را دید جاں دستور نیست

ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے ایک لغزش ہو گئی جس سے مجھے سخت ندامت ہوئی اور اس ندامت کی وجہ سے میں کئی روز تک آپ کا سامنا نہ کر سکا۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ گناہوں سے مجھ کو بھونا لیا اور لیاء اللہ کی صحبت سے محرومی بہت بڑا نقصان ہے بہر حال جو کچھ بھی ہو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ یہ خیال کر کے بعد ندامت حضرت خواجہ نقشبند کا فاتحہ پڑھا اور ان کی سفارش لایا کہ آپ میری خطا کو معاف فرمائیں۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میری جانب نظر اٹھائی اور فرمایا اگر تم اس کی پابندی کر لو تو بہت اچھا ہے (یعنی حضرت خواجہ نقشبند کی روح پر فاتحہ پڑھ لیا کرو) لیکن عموماً لوگ ایسا کرتے نہیں ہیں۔ سالک کو اپنے حوال پر ہر وقت نظر رکھنا چاہیے تاکہ کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ یہ دیکھ کر میرا عقیدہ آچہ سے بچتہ ہو گیا اور حسب فرمان والا شان الی و سید طریقہ سے آئندہ ناشائستہ حرکات سے محفوظ رہا۔

مرزا شاہ رخ کے زمانہ میں آپ بہرات میں مقیم تھے۔ مولانا شیخ ابوسعید جلد (اس وقت ایک حسین نوجوان تھے اور آپ کے عنایت یافتہ تھے) بیان کرتے تھے کہ آپ کی نظر التفات کے دو

۱۷۹ مقامات عالیہ ۱۸۴ مقامات عالیہ ۱۸۹ مقامات عالیہ ۱۹۴ مقامات عالیہ ۱۹۹ مقامات عالیہ

یہ تقاضائے شباب ایک حسین عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ (رفتہ رفتہ مراسم بڑھتے گئے)  
 اور ایک روز وہ میرے گھر آگئی۔ میں نے اس کے ساتھ خلوت کا ارادہ کیا ہی تھا کہ چانک  
 حضرت اقدس کی آواز سنائی دی کہ "بائیں ابو سعید یہ کیا" میں یہ آواز سن کر فوراً الگ  
 ہو گیا اور ایسی پیدیت و رعب میرے دل پر غالب ہوا اور اعضا پر پریشانی ہو گیا۔  
 اچھل کر الگ ہو گیا اور اس عورت کو گھر سے بھاگ دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ تشریف  
 لائے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا اگر توفیق الہی شامل چلی نہ ہوتی تو شیطان تمہیں بہا لے گیا ہوتا  
 ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ جب آپ سفرِ حضار اور حضرت مولانا یعقوب چرنی  
 کی خدمت میں رہ کر دوبارہ ہرات تشریف لائے تو پستہ میں ایک مخلص کے مکان پر  
 قیام فرمایا۔ اتفاق سے اس روز ان کے وہاں احباب کی دعوت تھی ان میں ایک نہایت خوبصورت  
 لڑکا بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا اور اپنے حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھا۔ اس وقت دسترخوان بچھا ہوا  
 تھا اور سب کھانے میں مصروف تھے۔ کھانے کے بعد خیاباں کی سیر کا ارادہ تھا اس مخلص نے  
 جیسے ہی آپ کو دیکھا قدموں پر گر پڑا۔ حد سے زیادہ نیاز مندی برتی اور اس حد تک انکساری  
 کی کہ تمام موجود مہمان متحیر رہ گئے۔ کیونکہ ان کی آپ سے کوئی واقفیت پہلے سے نہ تھی۔ آپ  
 نے بھی ان کا خلوص دیکھ کر بڑی عنایت فرمائی۔ لیکن اس نوجوان نے اپنے حسن کے غرور میں آپ  
 کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور نہ اپنی جگہ سے ہلا۔ وہ مخلص بیان کرتے تھے کہ جب آپ تشریف  
 فرما ہوئے تو میں نے مودبانہ عرض کیا کہ ابھی ابھی لوگوں نے کھانا کھا پایا ہے اور چوبہا جل رہا ہے  
 حضور جو چیز پسند فرمائیں اس کے پکوانے کا انتظام کروں۔ قبل اس کے کہ آپ "ہاں" یا "نہیں"  
 میں جواب دیں اس نوجوان نے (جو اپنے حسن کے غرور میں ہر شاعر تھا اور یہ چاہتا تھا کہ  
 اپنے ساتھ مجھ کو بھی برباد کر دے) بے ادبانہ کہا کہ اس مسافر کو جو کھانا موجود ہو وہ  
 دے دو۔ کھانا تو ختم ہو چکا ہے اور اب مزید کھانا پکانے کی کسی کی ہمت نہیں  
 ہے۔ آپ نے جو اس کا تکبر و غرور پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے تھے اب یہ بے ادبانہ  
 لہجہ اور گفتگو سنی تو آہستہ سے فرمایا ایسا کہ میں نے سن لیا "اے خوبصورت  
 نوجوان! تم اپنے حسن و جمال پر مغرور اور بہت بھول رہے ہو اگر میں تمہارا چہرہ سیاہ

نہ کر دوں تو گناہ گار ہوں پھر زور سے فرمایا۔ ہم مسافر آدمی ہیں۔ دُور سے آرہے ہیں اور بھوکے ہیں۔ اور اس وقت گرم تازہ سالن کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ میں یہ سن کر تیزی سے اٹھا اور قدر سے گوشت، چاول، چنے کی دال اور دیگر مصالحہ جات وغیرہ لے آیا۔ اس دوران آپ نے سکوت فرمایا اور اس نوجوان پر اپنی توجہ مبذول کی اچانک میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان نہایت بے قرار و مضطرب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور اگر اجازت دیں تو یہ خدمت میں انجام دوں۔ آپ نے فرمایا "ہاں کوئی ہرج نہیں"۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور دامن سمیٹ کر چولھے کے پاس بیٹھ گیا اور باوجود میرے کہنے کے مجھے چولھے سے پاس سے اٹھا دیا اور خود بیٹھ کر آگ جلانے لگا۔ اس کی گرمی سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور پسینہ نکل رہا تھا۔ اور ہاتھ لکڑیوں سے جل کر آدھے سیاہ ہو گئے تھے اور جتنی بار ان ہاتھوں سے چہرہ اور پیشانی کا پسینہ پوچھتا تھا۔ پیشانی اور دونوں رخسارے سیاہ ہوتے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر اس کے والد اور دوست اچھا نے کہا کہ اپنے چہرہ کی سیاہی تو دھو ڈالو۔ اس نے یہ سن کر مزاحاً کہا کہ النور فی السواد (یعنی سیاہی اور تاریکی ہی میں تو نور ہوتا ہے) اور قسم کھا کر کہا کہ اس سیاہی کو اس وقت تک دُور نہ کروں گا جب تک آپ کے سامنے کھانا نہ لگاؤں گا جب کھانا لگا چکا تو گیا اور ہاتھ منہ دھو کر وضو کیا اور مودب ہو کر آپ کی خدمت میں آکر بیٹھ گیا۔ اور آپ کے ساتھ بے پناہ محبت پیدا ہو گئی۔ اور جب تک آپ ہر رات میں رہے وہ مستقل آپ کی خدمت میں رہا اور آپ بھی اس پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ لے

آپ کے ایک مخلص ارادتمند بیان کرتے تھے کہ آپ سے میری محبت و شفیقتی کا سبب یہ ہوا کہ میں ایک ماہر ڈاکے عشق میں گرفتار تھا۔ فریفتگی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور میں نہایت بیقرار تھا اور اس کے گھروالے میرے ساتھ نکاح کرنے پر کسی طرح راضی نہ تھے جب میں کار بر آری سے عاجز و مایوس ہو گیا تو میں نے ایک ترکیب سوچی اور دو فرنی (جعلی) گواہ بنا کر قاضی کے پاس فرکت گیا اتفاق سے قاضی

اس وقت آپ کی خدمت میں گئے ہوئے تھے لہذا میں بھی آپ کی خدمت میں چلا گیا اور سارا قصہ حضرت کے سامنے دہرا دیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ معلوم ہوا مجھ میں کوئی چیز سما گئی۔ اور چشم زدن میں میرے فاسد خیالات رفع ہو گئے اور لڑکی والوں سے جھگڑے کا خیال دل سے جاتا رہا۔ جب آپ تاشقند جانے کے لئے روانہ ہوئے تو سوار ہوتے وقت ایسی نظروں سے میری جانب دیکھا کہ میرے اندر آگ بھڑک اُٹھی ہر چند اپنے کو سنبھالنا چاہا لیکن نہ سنبھال سکا اور بے اختیار چلیخیں مارنے لگا۔ سابقہ عشق کو بالکل بھول گیا اور آپ سے ایک پر سوز تعلق پیدا ہو گیا۔ شدید سردی کا زمانہ تھا۔ برف گر رہی تھی لیکن میری حرارتِ عشق کی شدت کا حال یہ تھا کہ دونوں موزے اتار کر پھینک دیئے اور ننگے پیر اسی برف میں آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو کر تاشقند تک چلا گیا۔ جب حجرہ کے دروازہ پر پہنچا تو آپ حجرہ کے اندر تشریف فرما تھے اور آگ جل رہی تھی۔ مجھ کو دیکھ کر اشارہ کیا کہ "آؤ تاپ لو" یہ کہہ کر خود بدولت باہر تشریف لے گئے۔ اس تاریخ سے میں آپ ہی کی خدمت میں رہا اور کبھی کسی دوسرے کا خیال تک دل میں نہ آیا۔

افری گری محبت کہ ترے سوختہ جاں جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے  
 آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری سے قبل ایک خوبصورت نوجوان کی محبت میں گرفتار تھا یہاں تک کہ سوتے جاگتے اسی کا خیال چھایا رہتا تھا۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی ہی حاضری میں وہ تمام تعلقات اور خیالات بالکل بول سے محو ہو گئے اور اس کی جگہ آپ کی الفت و محبت نے یلی۔ ایک بار تاشقند میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس جوان کی صورت کا خیال آیا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور اس کا نام لیکر فرمایا کہ "ہم نے تو وہ سلسلہ ختم کر دیا ہے اور اس کا تعلق منقطع کر دیا ہے اب کیوں اس کا خیال دل میں لاتے ہو۔ حالانکہ اس وقت تک اس واقعہ کا کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ اس بات کا مشاہدہ میرے مزید یقین کا سبب ہو گیا۔"

شیخ زادہ الیاس عشقی آپ کے ابتدائے ظہور میں سمرقند میں ایک بہت بڑی جماعت کے شیخ اور امام تھے اور کوہ نور میں (جو اطراف سمرقند میں واقع ہے) بہت بڑا لشکر رکھتے تھے۔ ایک روز آپ ایک جنگل سے گذر رہے تھے دیکھا کہ کسانوں کی ایک جماعت غلہ ماند رہی ہے آپ نے پوچھا یہ کھلیان کس کا ہے لوگوں نے عرض کیا شیخ زادہ الیاس کا ہے آپ گھوڑے سے اترے اور چک کو لیکر تھوڑا بھوسہ غلہ سے الگ کیا پھر سوار ہو کر روانہ ہو گئے یہ خبر جب شیخ زادہ الیاس کو پہنچی تو بہت متاثر ہو کر کہنے لگے کہ خواجہ نے ہمارا کھلیان برباد کر دیا اسی اثنا میں ان سے کچھ بے ادبی سرزد ہوئی اور ان کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا مولانا محمد قاسم لکھتے ہیں کہ دران کا قصہ دراصل یہ تھا کہ مولانا شیخ محمد کشی شیخ زادہ الیاس پر اس وجہ سے معترض تھے کہ وہ ذکر جہر کرتے تھے اور ان کے مابین گفتگو طویل پکڑ گئی تھی اور ملک کش کے ترکوں کی ایک جماعت جو شیخ زادہ کی مرید تھی مولانا شیخ محمد کی دشمن ہو گئی تھی اور اس حد تک نوبت پہنچ گئی تھی، ان کا یہ خیال تھا کہ مولانا شیخ محمد کو فنا کر دیں حضرت اقدس نے اس خیال سے کہ ان ترکوں سے مولانا شیخ محمد کو اچانک کوئی نقصان نہ پہنچ جائے مولانا کی جانب توجہ فرمائی کچھ لوگوں نے اس بات کو شیخ زادہ سے دوسرے سیرایہ (انداز) میں بیان کیا اور وہ یہ سمجھے کہ غالباً آپ کو شیخ زادہ سے عداوت ہے شیخ زادہ نے بغیر سوچے سمجھے امیر درویش محمد ترخان کو ایک خط لکھا جس میں حضرت اقدس پر بھی طنز تھے اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ... ”دین و ملت میں کیسی سستی آگئی ہے ایسا شیخ جس کی خرید و فروخت اور کسانی و کاشتکاری قانون شریعت کے مطابق نہیں ہے اسکی باتوں کا تمہارے دلوں پر کیا اثر ہوگا“ امیر درویش محمد خان آپ کے خادم تھے لہذا اس خط کو آپ سے پوشیدہ نہ رکھ سکے اور خدمت میں پیش کر دیا ایک روز میں خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا تم نے شیخ الیاس کا خط دیکھا اس نے میرے بارہ میں کیا لکھا ہے پھر خط کا مضمون بیان کرتے ہوئے نہایت غصہ سے فرمایا کہ ”اے شیخ زادہ! جس دن سے میرا ظہور ہوا ہے کتنے شیوخ اور مولانا لوگ چیونٹیوں کی طرح میرے پیروں تلے مسل چلے ہیں جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے یہ شیخ زادہ کیا کہتا ہے شریعت کے قانون کو وہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے،“ آپ کے اس فرمانے کے تھوڑی ہی دیر بعد شیخ کے لنگر میں دبا پھیل گئی جس میں ان کے لڑکے اور دوسرے لوگ

ان کے سامنے ختم ہو گئے اور سب کے بعد شیخ کا بھی انتقال ہو گیا ۱۵

قاضی ابو منصور تاشکندی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ابتدائے ظہور میں تاشکند میں مشائخ کی بہت کثرت تھی جو لوگوں کو ارشاد و تلقین کیا کرتے تھے لیکن صرف آپ سے بغض حسد اور دشمنی کی بدولت آہستہ آہستہ سب نیست و نابود ہو گئے ایک بار آپ باغستان سے تاشکند قیام کے ارادہ سے آئے اور تصرف کا آغاز فرمایا تاشقند میں ایک شیخ تھے جو وہاں کے بہت بڑے امام۔ مقتدا اور علوم ظاہری نیز تصوف کے عالم تھے اور ان کے بکثرت مریدین تھے ایسا کہ پچاس اشخاص تو صرف ان کے خلفاء (صاحب اجازت و ارشاد تھے) انھوں نے جب آپ کو طالبین پر جذب و تصرف فرماتے دیکھا تو حسد پیدا ہوا اور ایک روز آپ کی مجلس میں اس ارادہ سے آئے کہ آپ پر توجہ و تصرف کر کے اس سب سے باز رکھیں جب وہ بیٹھے آپ کی جانب متوجہ ہوئے اور اپنی نگاہیں آپ کی جانب جما کر ہمت کو مصروف کیا اور توجہ ڈالنا چاہی تو آپ بھی اس کے دفیعہ میں مشغول ہوئے تھوڑی دیر بعد سر مبارک اٹھایا اور داہنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا اور ایک تولیہ جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا اٹھایا اور ان کے منہ پر مار کر فرمایا کہ میں مسلوب العقل دیوانہ سے کیا ملوں جس کے دل میں کوئی علم باقی ہی نہیں ہے اور اٹھ کر چلے گئے جیسے ہی آپ نے یہ کہا شیخ نے ایک نعرہ مارا اگر کرتڑپنے لگے پھر ہوش ہو گئے ہوش آنے پر تیزی سے اٹھ کر باہر چلے گئے دماغ میں خلل پیدا ہو گیا اور دوسرے ہی روز تمام معلومات فراموش ہو گئیں اور ایسی بڑی حالت ہو گئی کہ برہنہ بازار میں پھرا کرتے تھے اور تن بدن کا ہوش نہ تھا جب کبھی آپ راستہ میں نظر پڑ جاتے تو آپ کے پیچھے دوڑتے لیکن آپ ان کی جانب متوجہ نہ ہوتے ۱۶

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز جامع مسجد سے واپسی کے وقت آپ کے خدام کی ایک جماعت سے ملاقات ہو گئی ان میں سے ایک نے ساتھیوں کو ہٹل میں کھانے کی دعوت دی اسکی دعوت پر ہم لوگ ایک باورچی کی دوکان پر اسے اتفاق سے وہاں شاہی خاندان کے بھی کچھ لوگ موجود تھے جو نہایت خوبصورت حسین اور عجیب و غریب خصال کے



حامل تھے میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم ان نوجوانوں کی جانب نہیں دیکھتے کہنے لگے کہ یہ خلاف شرع امر ہے ہم کو کیوں ترغیب دیتے ہو میں نے کہا کہ اگر شہوت کی نظر سے ہو تو ضرور خلاف شرع ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں اس پر سب لوگ دیکھنے لگے جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو پوچھا کہاں سے آرہے ہو عرض کیا جامع مسجد سے فرمایا بھوٹ نہ بولو جامع مسجد تو جاتے ہی ہو اور غصہ کا اثر چہرہ مبارک سے ظاہر تھا! فرمایا: ”باورچی کی دوکان سے آرہے ہو اور وہاں خوبصورت نوجوانوں سے نظریں لڑا رہے تھے تم میں سے بعض اسکو خلاف شرع کہہ رہے تھے اور بعض یہ جواز دے رہے تھے کہ اگر شہوت کی نظر سے پاک ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسی اثنا میں میری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ میں تو شہوت کی نظر کے بغیر دیکھ نہیں سکتا تم کہاں سے پیدا ہو گئے کہ بغیر شہوت کے نگاہ کرو۔“ (اور) بعض خدام سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ فرماتے تھے ”ستوبار میرا جگر خون ہوتا ہے تب کہیں جا کر میں صاحب جمال کے پاس سے صبح و سلامت گذر پاتا ہوں۔“ ۱۵

ایک روز قطب سواد خاں خراسانی آپ کی مجلس میں آیا وہ ایک فاسق آدمی تھا اور کثرت سے شراب پیتا تھا اور عقائد نہایت برے تھے نہ وہ کبھی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور نہ آپ نے ہی اسے دیکھا تھا جیسے ہی وہ خدمت میں آکر بیٹھا آپ نے اسے سختی سے اٹھا دیا میر عبد الاول نے (جو اس مجلس میں موجود تھے) ادں میں خیال کیا کہ ایک مسافر آدمی جو خلوص و نیاز مندی سے حاضر ہوا تھا اگر آپ اس کو اس طرح سختی و درشتی سے نہ اٹھا دیتے تو کیا ہرج تھا آپ ان کے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور فرمایا میں نے اسے اس لئے بھگادیا کہ وہ مجھے ایک کتے کے بچہ کی صورت میں دکھائی دیا اور کتے کے بچہ کے ساتھ اس نے بہتر معاملت میں نہیں کر سکتا تھا جب میر عبد الاول نے اس کی حقیقت حال معلوم کیا اور اسکے فسق و فجور، کثرت شراب نوشی، اور عقائد فاسدہ پر مطلع ہوئے تب یہ سمجھ میں آیا کہ آپ کا اس کو بھگادینے سے یہی مطلب تھا کہ آپ نے اس کو اس کی صفت کی صورت میں دیکھا تھا ۱۶

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک روز آپ میانہ پر سوار شیخ بزرگوار ابو بکر قتال شاشی کے مزار پر جارہے تھے اور اسے مولانا موسیٰ اور نور الدین اٹھائے ہوئے تھے اور میں ان کے

سمجھے تھا جب دروازہ کے اندر پہنچے تو ایک بلند اور کھلبلیو ترہ تھا جس پر آپ کے اعزہ وغیرہ کی کئی قبریں تھیں۔ اسی چبوترہ پر حافظ جلال الدین کی قبر تھی۔ آپ نے ان اہل قبور کو سلام کیا پھر میری جانب دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب بظاہر مجھ پر ہنستے تھے کہ کیسا دنیا میں مبتلا ہو گیا ہے پھر فرمایا کہ یہ سب بھی تمہاری ہی طرح بڑے خدمت گزار تھے ذرا سی بے ادبی پر مارے گئے رہے

مولانا موسیٰ (جو آپ کے مخصوصین میں تھے) بیان کرتے تھے کہ مجھے یہ خیال تھا کہ میری طرح کوئی اچست اور تیز رو کم ہی ہوگا ایک آپ ماترید کے باغ میں اٹے اور ضعف کا اثر آپ پر ظاہر تھا میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ چستی و چالاکی میں کوئی تمہارے مثل نہیں ہے۔ کیا میرا مقابلہ کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا میری کیا مجال۔ فرمایا نہیں تم سمجھتے ہی ہو۔ یہ فرما کر آپ تیز دوڑے۔ فقیر نے ہر چند کوشش کی لیکن کسی طرح آپ کا ساتھ نہ دے سکا (پیش نہ پاسکا)

اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز آپ سوار ہو کر تاشکند سے فرکت جا رہے تھے دو خاکت، نام ایک موضع پر جو مولنا سیف الدین کے مزار کیلئے وقف فرمایا تھا اترے آپ کے خادم مولنا شہاب الدین جو بیشتر آپ کی ہم رکابی میں پایادہ چلا کرتے تھے چل رہے تھے۔ اچانک ان کے دل میں آیا کہ میں ہمیشہ پیادہ ہی گھوڑے کی کاٹھی کے ساتھ چلا کرتا ہوں آپ فوراً ان کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور غصہ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ایسی قدرت و طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر میں چاہوں تو تمام شاہانِ عالم کو اپنی کاٹھی کے نیچے کر لوں (تم کیا چیز ہو) بلکہ خطا کے بادشاہ کو جو دین سے بیگانہ ہے اگر چاہوں تو اپنے گھوڑے کے پیچھے چلا کر احسان مند کر دوں

منقول ہے کہ جب پہلی بار حضرت مولنا نور الدین عبدالرحمن جامی خراسان سے آپ کی خدمت میں سمرقند آئے تو افسران (تحصیلداروں) کی ایک جماعت اپنے اپنے محصولات (حسابات) پیش کر رہی تھی اور آپ ہر افسر کے حسابات کی جانچ فرماتے جاتے تھے کہ کس نے اپنی تحویل میں کتنا غلہ جمع کیا ہے بعض نے چالیس ہزار من بعض نے تیس ہزار من بعض نے بیس ہزار من۔ غلہ بتایا اور دس ہزار من سے کم کسی نے نہیں کہا، مال و دولت کی اتنی فراوانی دیکھ کر مولنا کو بھی مولنا موسیٰ کی طرح (جن کا واقعہ سابقہ اوراق میں گندہ چکا ہے) شبہات و خطرات لاحق ہوئے

اچانک مولانا پر غیبت (استغراقی کیفیت) طاری ہوئی دیکھا کہ قیامت قائم ہے میدان حشر میں نفسی نفسی کا عالم ہے اور ہر شخص حیران و پریشان اپنی نجات کے لئے سفارش کرنے والا تلاش کر رہا ہے حضرت مولانا نے بھی حیران و سرگرداں ہو کر جیسے ہی ایک سمت جانا چاہا تھا کہ ایک شخص نے ان کا گریبان پکڑا اور بہت بڑی رقم کا ان پر دعویٰ کیا اور نہایت شدت و اصرار سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا حضرت مولانا یہ صورت حال دیکھ کر نہایت متحیر ہوئے اور اپنی برات پیش کرنے لگے لیکن اس نے آپ کی ایک نہ سنی اور آپ کا گریبان تھامے بہ اصرار مطالبہ کرتا رہا آپ اس کے مطالبہ پر حیران و پریشان کھڑے تھے کچھ بنائے نہ بن رہی تھی اچانک ایک جانب سے حضرت اقدس تشریف لائے صورت حال سے مطلع ہو گئے اور سفارش فرمائی کہ ان کو چھوڑ دو اس نے کہا اگر آپ کفیل ہوں اور ضمانت لیلیں تو میں ان سے دست بردار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، میں ان کا ضامن ہوں۔ انھیں چھوڑ دو اس نے یہ سن کر مولانا کا گریبان چھوڑ دیا جب ان کو افاقہ ہوا (وہ اپنی اصلی حالت پر آئے) تو حضرت اقدس نے ان کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ آدمی کے پاس کم از کم اتنا تو ہو کہ ... (وقت پڑنے پر) لوگوں کی کفالت کر سکے مولانا کو اس مشاہدہ سے بہت ندامت ہوئی اور آپ سے عقیدت اور زائد پختہ ہو گئی۔

مروی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت اقدس مرزا ابو سعید کے التماس پر سمرقند سے مرو تشریف لے گئے تو حضرت مولانا بھی خراسان سے آپ کی خدمت میں مرو آئے ایک روز مرزا نے آپ کے خدام کے ذریعہ حاضری کے لئے عرض کیا جب آپ نے اسکی عرضداشت قبول فرمائی تو وہ فوراً مرو سے آپ کے استقبال کیلئے تمام باشندوں کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ (جن میں چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے شامل تھے) آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اور بہت دور سے پایادہ ہو گیا اسکے ساتھ ساتھ تمام ارکان دولت، معززین، وزراء، افسران اور نوکر چاکر وغیرہ سب حکم بموجب حضرت کی جانب روانہ ہوئے اور اس وقت صرف حضرت اقدس اور مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی کے سوا کوئی سوار نہ تھا (سب پیدل چل رہے تھے) کیوں کہ مرزا کے غلاموں کی عرضداشت آپ نے قبول فرمائی تھی اسی اثنا میں مولانا کے دل میں آیا کہ یہ تمام بزرگی و تعظیم و تکریم جو یہ لوگ کر رہے ہیں آپ پر بھی اس کا کچھ اثر ہے یا نہیں آپ ان کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور نظر اٹھا کر فرمایا کہ فنا فی اللہ ہونے کے

بعد یہ سب چیزیں نہ اثر انداز ہو سکتی ہیں اور نہ کسی قسم کی تبدیلی لاسکتی ہیں اس واقعہ کو حضرت مولانا نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب،، میں نظم فرمایا ہے ۱۷

مولنا لطف اللہ (جو آپ کے بڑے مخصوص اور مقبول لوگوں میں سے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے مولنا روم کے نہایت فضائل و مناقب بیان فرمائے دل میں بڑا متاسف ہوا کہ افسوس میں ہی ان سے شرف نہ حاصل کر سکا۔ میرے اس خطرہ کے آنے ہی آپ نے فرمایا کہ حضرت مولنا روم نے ایک بار ایک شخص کے سامنے حضرت شمس تبریز کے فضائل و مناقب بہت بیان کئے۔ اس نے آپ کے اس بیان فرمانے پر ایک آہ بھری۔ مولنا روم نے اس سے پوچھا کہ کون سی ایسی نعمت ہے جس کے زائل ہو جانے پر تو اس قدر آہیں بھر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا افسوس میں ہی ان کی خدمت میں حاضری اور شرف دیدار سے مشرف نہ ہو سکا۔ ملا صاحب کو یہ سن کر غیرت آئی۔ فرمایا..... اگرچہ تم نے ان کو نہیں دیکھا لیکن اس وقت جس شخص کے سامنے تم بیٹھے ہو ہزار ہا شمس تبریز اسکی زلفوں کے ایک ایک بال میں آویزاں ہیں۔ مجھے یہ سن کر نہایت ناراضت ہوئی ۱۸

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک شب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ حجرہ میں تشریف فرما تھے نیز کچھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ اس فقیر کی طرف نظر عنایت ڈال کر ایک عجیب شکل میں ظاہر ہوئے تھوڑی دیر بعد نور میں ایسا فنا ہوئے کہ نور ہی نور ہو گئے۔ ہر چند میں غور کرتا تھا اس نور کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا کہ ۱۹

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار میں اپنے گھر میں زانو پر رکھے بیٹھا تھا۔ اچانک میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر کے در و دیوار اور چھت حضرت کی صورت مبارک سے پُر ہیں ۲۰

میر بزدق بیان کرتے تھے کہ میں جب پہلی بار آپ کے شرف محبت سے مشرف ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کے گھوڑے پر سوار تھے یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ فقیر کو ایسے اعلیٰ گھوڑے کی سواری زیب نہیں دیتی ایک روز آپ جامع مسجد سے اپنے محلہ تشریف لیجا رہے تھے فقیر بھی خدمت میں تھا گھوڑے سے اترنے کے بعد میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بہترین گھوڑوں پر سوار ہوں۔ تو اس کو میں کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بنایا ہی اسی لئے ہے، میں آپ کے اس فرمانے اور اپنے خطرہ پر آپ کے آگاہ ہو جاؤں گے بہت نادام ہوا۔ اور یہ چیز میری عقیدت کی زیادتی کا سبب ہو گئی ۲۱

حضرت مولانا نجم الدین علیہ الرحمہ (جو آپ کے خادم اور کارکن تھے نیز تجارت کے سلسلہ میں کافی لین دین کیا کرتے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک بار میں کثیر جماعت کے ساتھ "طرقان" جا رہا تھا جو خطا کی سرحد پر ایک شہر ہے۔ ہمارا گذر "قلماق" گروہ کے پاس سے ہوا اچانک سواروں کے ایک گروہ نے جن میں تقریباً سو بہادر۔ زرہ پوش اور ہتھیار بند تھے راستہ روک لیا۔ قافلہ والوں کے یہ دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے اور ان کی جانوں پر بن گئی۔ انھوں نے جان کے خوف سے مال حوالہ کر دینا گوارا کر لیا۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ جنگ سے ہاتھ روک لینا اور حضرت کی رقم اور مال واسباب ڈاکوؤں کے حوالہ کر دینا خلوص و عقیدت اور بہادری و جوانمردی کے خلاف ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ کے مال کی حفاظت میں قتل (شہید) ہو جاؤں۔ یہ چیز دنیا و آخرت میں سرخروی کا سبب ہے۔ یہ خیال آتے ہی آپ کی جانب متوجہ ہوا اور تلوار نیام سے کھینچ لی۔ تلوار کھینچنا تھا کہ یہ محسوس ہوا جیسے اپنا وجود غائب ہو گیا بلکہ یہ نظر آ رہا تھا کہ میں "میں" نہیں رہا ہوں بلکہ آپ کی ذات اقدس میری صورت میں جلوہ گر ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس وقت مجھ میں اور گھوڑے میں ایسی عجیب و غریب کیفیت اور بے پناہ طاقت بیدار ہو گئی تھی کہ بے اختیار ڈاکوؤں پر حملے کرتا تھا اور لگاتار تلوار برساتا تھا آخر کار وہ سب قافلہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ قافلہ والے میری جرات و بہادری دیکھ کر متعجب تھے اور میں ان سے زائد متعجب و متعجب تھا کیونکہ مجھ کو کبھی اس قسم کی بات پیش نہ آئی تھی۔ نہ میں نے کبھی جنگ کی تھی اور نہ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ یہ سب تصرف حضرت اقدس ہی کا تھا جو بلا وہم و گمان اور قوت کے مجھ سے ظاہر ہوا۔ واپسی کے بعد جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی بات جو آپ نے فرمائی یہ تھی کہ اگر کسی کمزور کا طاقت ور دشمن سے سابقہ پڑ جائے اور وہ خلوص و سچائی سے اپنی طاقت و قوت امکانی سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے اور کام لیتا ہے تو یقیناً وہ طاقت و قوت پہلے ہی سے اسکی مددگار ہو جائے گی اور یہ ہمت اسے مافوق الفطرت قوت عطا کر دے گی اور اس کی وجہ سے وہ دین و ملت کے دشمنوں پر فتح حاصل کرے گا" اے

مرزا سلطان احمد کے ایک امیر خواجہ علیان کرتے تھے کہ میں دیر ق کا افسہ تھا اور حضرت اقدس کے اصحاب میں سے ایک شخص جو آپ کے کھیتوں کے نگران تھے گوکہ نیک اور صالح آدمی تھے لیکن کاشتکاری کے سلسلہ میں بالکل ناواقف تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر ان کو برطرف کر دیا اور قلماق نامی ایک دوسرے شخص کو اس موضع کی

شکرانی سپرد فرمائی میرے دل میں آیا کہ آپ نے ایک دیانتدار اور صالح آدمی کو برطرف کر کے اسکی جگہ ایک خراب آدمی کو نگران کر دیا اس میں کیا مصلحت ہے۔ جب آپ دیر ق تشریف لائے تو ایک روز وہاں پہل قدمی فرمایا ہے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس وقت بھی یہی بات میرے دل میں آئی آپ میری طرف گھومے اور فرمایا کہ بے ایمان (خوش انتظام) منتظم آدمی کی خدمت اور کار بندی اس دیانتدار آدمی سے بہتر ہے جو منتظم نہیں ہے۔ وہ اپنا فائدہ مد نظر رکھتا ہے اور میں اپنا فائدہ۔ میں یہ سنکر بہت شرمندہ ہوا اور یہ چیز میرے عقیدہ کی زیادتی کا سبب ہو گئی۔

میر عبد الاول بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدس کی توبہ کی برکت سے مجھے بے مانگے ایک نسبت ایسی حاصل ہو گئی تھی جسکی وجہ سے انشراح و طمانیت کی کیفیت رہتی تھی اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا اچانک بغیر کسی ظاہری سبب کے وہ نسبت خاص آپ نے واپس لے لی اور نہایت درشتی و برا فروختگی کا انداز اختیار فرمایا۔ اور قہر و جلال و غیظ و غضب حد سے متجاوز ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریب تھا کہ میرا دل آپ کے اس برتاؤ سے آپ کی اطاعت سے باہر آجائے اور بار بار میرے دل میں یہ آیا کہ میں اس بات کا یقین کروں کہ جو کچھ حضرت کی مجلس میں مجھے حاصل ہوا تھا اور آپ واقعی اس پر مطلع تھے اور اس کی تقویت و تائید میں ایک مدت تک کوشش فرماتے رہے اور توجہات و عنایات کرتے رہے اگر وہ کیفیت قائم رہے والی ہوتی تو آپ بھی آپ کیوں نہ اسی طرح توبہ فرماتے رہتے۔ اور اگر میرے اس سلوک میں کوئی نقص تھا تو آپ نے پہلے ہی اس پر کیوں متنبہ نہ فرمایا اور یحیثیت پر و مرشد میرے نفس کی درستی کیوں نہ کی۔ جب ان خیالات کا ہجوم ہوا اور آپ کی سختیاں اور اظہار خفگی بڑھتا ہی رہا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ قیامت کے روز انبیاء و رسولوں اور اولیاء اللہ کے مجمع میں پوچھوں گا کہ جب اس کینہ کے گل امور آپ نے اپنے ذمے لے سکے اور عرصہ تک توجہات و عنایات کیں اگر وہ ایسا ہی مشکل تھا تو اسی وقت کیوں نہ ہاتھ کھینچ لیا اور تہنیتی کی۔ جب ان خیالات فاسدہ نے بہت زائد ہجوم کیا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خلوت میں حاضر ہوا۔

سانے چلے ہیں انھیں قصہ دل بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

اتنا عاجز اور بے طاقت ہو رہا تھا کہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ دل کی بھر اس نکال کر رہوں گا۔ اتفاق سے اس وقت ایک شخص خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھے دیکھ کر اسے کسی کام سے باہر بھیج دیا



پھر میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم انبیاء و رسولوں اور اولیاء اللہ کے مجمع میں مجھ سے خاصہ (جھگڑا) کرو گے  
 نفیست سمجھو اور احسان مانو کہ میں تم سے خاصہ نہیں کروں گا۔ تمہارے لئے اس وقت جو بات رنج و ملال  
 کا باعث بنی ہوئی ہے اس میں میرا ہاتھ ہے تم نے کیوں دست بیعت بڑھایا تھا۔ یہ سب تمہارا خود کردہ ہے  
 اس کا علاج بھی تم خود جانتے ہو۔ پھر بہ نگاہ لطف فرمایا ”صبر کرو (ان باتوں پر صبر و شکر کرنا چاہیے)“ مرید کا  
 اعتقاد پیر کے متعلق تو یہ ہونا چاہیے کہ اسے اس کا یقین ہو کہ پیر پر اسکے تمام احوال روشن ہیں۔ اور یہ کوئی ضروری  
 نہیں ہے کہ ہر بات شرح و بسط سے ہی بیان کی جائے اور وہ شیخ ہی کیا جس کا پیر مشرق میں ہو اور مرید  
 مغرب میں اور وہ مرید کے کُل احوال سے واقف اور آگاہ نہ ہو (یعنی ہو سکتا ہے اس میں کوئی مصلحت  
 ہو۔ عارفِ کامل کا طریقہ رشد و ہدایت تو یہ ہے کہ

کہ بہ تملطف نرم نیسمے کہ بہ تحکم سخت کمانے

حضرت مولانا جعفر بیان کرتے تھے کہ ابتدائے زمانہ طالب علمی میں میرا دل اولیاء اللہ کے طریقہ  
 کی جانب مائل ہو گیا۔ عالم رویا میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”بندہ کی خدا آگ

سے حضرت مولانا جعفر خواجہ صاحب کے خلیفہ اور مخلص ترین اصحاب میں تھے۔ بڑے عالم و عامل و عارفِ کامل  
 تھے۔ بیخودی و استغراقی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو بڑی لمبی قرأت فرماتے  
 اور رکوع و سجد بہت طویل کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی گردش چشم کی وجہ سے غلبات جذبات ان پر بہت ظاہر تھے بقول  
 شاعرے گردش چشم صنم گردش جام است اینجا۔ اور کشش باطنی کے آثار بہت افراط سے تھے۔ خواجہ صاحب نے بہت چلا کہ مولانا جعفر  
 اپنی نسبت باطنی کو کسی شغل ظاہری جیسے تجارت و زراعت میں بھی مشغول رکھیں (یعنی ان کو دیناوی وادلت میں بھی ابھائے رکھا  
 جائے) لیکن نسبت استغراق اور کیفیت اور یزید کی بکسی طرح ممکن نہ ہوا ان کے زمانہ مرض الوصال میں حضرت خواجہ صاحب خواجہ کفیر کے محلہ  
 میں نہ تھے بلکہ اپنے کسی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جب ان کے مرض کی شدت کا حال معلوم ہوا تو آپ بجلت وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور  
 جب ان کے پاس پہنچے تو وہ وفات پا چکے تھے۔ غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد آپ نے اپنے تمام متعلقین و خدمتہ۔ اصحاب نیز شہر کے  
 خواص و عوام کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس روز بہت شدید لوہلری تھی۔ حضرت خواجہ صاحب جنازہ کے ہمراہ قبر کے  
 کنارہ آئے۔ قبر کی تیاری میں قہر دیر تھی آپ قبر کے کنارہ بیٹھ گئے۔ جب گور کن قبر کے باہر آگئے تو آپ نے اصحاب کی مدد سے ان  
 کی نعش کو قبر میں اتارا۔ اتارنے کے بعد آپ قبر کے کنارہ کھڑے ہو گئے۔ اور حفاظ نے قرآن مجید پڑھا۔ یہ واقعہ ۸۹۳ھ میں ہوا۔  
 ان کے سویم کے روز حضرت خواجہ صاحب نے مولانا برہان الدین خٹلانیؒ کی معیت میں بہ سلسلہ تعزیت بہت وافر  
 مقدار میں سالن بکھوایا جس میں اشٹی بکریاں ذبح کیں۔ (رشحات ۱۸۸)

رسائی کب ہوتی ہے“ فرمایا جب اپنے سے فانی ہو جائے۔ جب بیدار ہوا تو بہت متاثر ہوا اور صبح سویرے ہی مدرسہ سے نکل کر آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اس سے قبل آپ کو دُور سے دیکھا تھا لیکن حاضری کی سعادت سے مشرف نہ ہوا تھا جیسے ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا ”مولنا جعفر! تم جانتے ہو کہ بندہ خدا لگ کب پہنچتا ہے۔ اس وقت پہنچتا ہے جب اس کی بندگی میں خود سے فانی ہو جائے“ پھر مولنا روم کا ایک شعر پڑھا ہے

چوں تو نہ بودی کہ بود جملہ خدا بود و بس      چوں تو نہ مادی کہ ماند جملہ خدا اے گدا  
(نہ تھا کچھ تو خدا تھا اور نہ ہوتا تو خدا ہوتا      ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا)

مولانا برہان الدین خٹلانی بیان کرتے تھے کہ ایک بار سلطان احمد مرزا نے ساون کے مہینہ میں جب کہ ہوا میں خنکی آچلی تھی۔ ترکستان کے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت اقدس سے بھی ساتھ چلنے کیلئے عرض کیا۔ آپ نے بلا توقف قبول فرمایا اور ہمراہ چلے گئے اور اپنے ساتھ خدام کی ایک جماعت کو بھی لے لیا۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس سفر میں حضرت اقدس نے نہایت سخت محنت و تکلیف اٹھائی اور آپ کے ساتھ ملازمین و خدام نے بھی۔ کیونکہ ہوا نہایت سرد تھی۔ کئی بار میرے دل میں آیا کہ اگر آپ اس سفر کو اختیار نہ فرماتے تو مرزا کو اصرار کی جرأت نہ پڑتی۔ اب یہ گل زحمت حضرت اقدس کو اٹھانا پڑ رہا ہے اور ساتھ میں ملازمین و خدام بھی شامل ہیں اور اس سفر سے آپ کو بظاہر کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ میں جتنا ہی ان خیالات کو جھٹکتا تھا

شہ رشتات (۱۸۸)

سے مولانا برہان الدین خٹلانی خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے۔ نہایت دانشمند اور عالم مہتر تھے۔ صفر سنی میں ہی فارغ التحصیل ہو گئے۔ چالیس سال آپ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات اخذ کئے۔ ان کی لفظ معر جہدائی بھی برداشت تھی۔ سمرقند کے لوگ دشمنوں کو مار دینا عالم کہا کرتے تھے ایک نازادہ مولانا عثمان۔ دوسرے مولانا برہان الدین خٹلانی۔ آپ نے بھی مولانا جعفر کی رحلت سے آٹھ روز قبل (یعنی ۸۹۲ھ) وفات پائی۔ خراسان کے ایک طبیب نے مولانا برہان الدین کے علان کے سلسلہ میں بڑی غلطیاں کی تھیں (بہت غلط علاج کیا تھا) ایک روز جب وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بہت غصہ ہوئے اور انہیں سخت سست کہا۔ پھر ان سے فرمایا تم نے ایسے دواؤں کو مارا ہے جن کا روئے زمین ثانی نہیں رکھتی۔ اگر ساتوں آسمان و زمین کے برابر بھی زہر سرخ ٹاؤ تب بھی ان کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی۔ رشتات ۱۸۹

وہ کسی صورت سے بچھانہ چھوڑتے تھے اور میں مرزا سے بہت بڑبڑا تھا کہ اس نے بلا وجہ نہ صرف حضرت کو اس پریشانی میں ڈالا بلکہ پوری ایک جماعت کو پریشان کر دیا۔ شاہرخیہ آئے دو ہی تین روز بعد اپنا ملک شہر میں غلہ بھا کہ چار پانچ ہزار مغلوں۔ اور ننگیوں اور کافران بت پرست نے شاہرخیہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کے اطراف و جوانب میں بہت سے قصبے وغیرہ لوٹ لئے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام شہری روتے پیٹتے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مرزا سلطان احمد اپنے ساتھ کوئی تیلہ شدہ لشکر نہ لاپائے جو ان کا دفاع کرتے۔ اب اس بلا کا دفعیہ بغیر حضور کی توجہ خاص کے ممکن نہیں اور مرزا سلطان احمد بھی مضطرب ہو کر عرض پرداز ہوئے۔ حضرت اقدس چند خدام کے ساتھ باہر آئے اور ان کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور قلب ماہیت کر کے ان سب کو ایسا مستحکم و مطیع و مرعوب کیا کہ تمام لوگوں نے اپنی اپنی گردنوں سے بتوں کی مالا میں نکال کر صحرا میں ڈال دیں اور آپ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے اور تمام پھوٹے بڑے۔ عورت مرد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور تقریباً دو ہزار لڑکی۔ لڑکے عورت۔ مرد۔ آزاد و بندہ اور تقریباً دس ہزار اونٹ۔ گھوڑے۔ گائیں اور دراز گوش وغیرہ جو ان اطراف میں انھوں نے لوٹ مار میں حاصل کئے تھے۔ سب آپ کے قدموں پر ڈال دیئے۔ اپنے ان سب کو ان کے وطن واپس بھیج دیا اور اپنی طرف سے دو خادموں کو ان کے لشکر کے ساتھ کر دیا۔ ایک حافظ تھا تا کہ وہ ان کو قرآن تعلیم کرے اور دوسرا ایک فقیہ جو ان کو مسائل دین سے روشناس کرائے۔ یہ سب بند و بست فرما کر آپ شاہرخیہ سے واپس ہوئے پھر مرزا سے کہہ کر سمرقند روانہ ہو گئے۔ مولانا برہان الدین بیان کرتے تھے کہ شاہرخیہ سے نکلنے کے بعد راستہ میں مجھ سے فرمایا کہ مولانا برہان الدین! سفر میں جو کچھ محنت و مشقت ہم نے اٹھائی وہ محض اسی وجہ سے اٹھائی جو تم نے دیکھی“ (انہیں یہی ریز خالص پوشیدہ تھا) مولانا لطف اللہ خٹلانی بیان کرتے تھے کہ ایک بار ”واتح“ میں (سمرقند سے چار کوس کے فاصلہ پر

۱۸۹ رشحات

مولانا لطف اللہ خٹلانی مولانا برہان الدین خٹلانی کے بھانجے اور خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور مقبول اصحاب میں تھے۔ علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے۔ ان پر ہمیشہ بسط کی کیفیت طاری رہتی تھی جس کی وجہ سے بیشتر اوقات تبسم و خنداں رہتے۔ اور اپنی شیریں سخنی سے حضرت کو بھی ہنسائے رہتے تھے اور حضرت خود بھی کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے۔ ایک روز مولانا بطور مزاح ارشاد فرمایا کہ جب تم شادی کرو گے تو کیسی بیوی پسند کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ سبز شیریں۔ فرمایا تم غلط سمجھو تم کو نہیں معلوم۔ تھوڑے دنوں بعد شیرینی جاتی رہے گی اور سبزی باقی رہ جائے گی۔ پھر فرمایا کہ طالبان حق کیلئے شادی بڑی خواہش ہے پھر یہ نصیحت چاہئے کہ بھراہیت مایہ ہواست کدر باکن ترا خدائے بس است (۱۸۹ رشحات)

ایک گاؤں) میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور خدام کی ایک جماعت بھی حاضر تھی۔ آپ کے سامنے شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشی کی "شرح منازل" رکھی ہوئی تھی اور آپ اسی کے سلسلہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ اور خدام سے ساتھ ہی ساتھ استفسار بھی فرماتے جاتے تھے۔ جیسی آپ کی عادت تھی۔ اس وقت میرے دل میں کچھ شکوک پیدا ہوئے۔ میں خدمت میں عرض کیے۔ فرمایا۔ اس قسم کے گروہ صوفیاء کی باتوں کا (مذاق کا) دوسرا طریقہ ہے۔ یہ مولویانہ باتیں چھوڑو۔ میں خاموش ہو گیا اور سوچتا رہا کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ تو صحیح ہے پھر آپ اسے کیوں نہیں قبول فرماتے۔ اسی اثناء میں غصہ کے آثار آپ پر ظاہر ہوئے اور ہجہ میں سختی پیدا ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا مجھ پر سیکڑوں من کا بوجھ پڑ گیا ہے اور میں بے طاقت ہو کر دہرا ہو گیا ہوں اور حرکت کرنے تک کی قوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ کی جانب نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا چہرہ مبارک بڑا ہونا شروع ہوا۔ آپ کے لبہائے مبارک جنبش کر رہے تھے لیکن مجھے نہ کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ پھر چہرہ مبارک تنا بڑا ہو گیا کہ تمام گہر بر چھا گیا۔ اور کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ اور میری حالت اتنی غیر ہو گئی تھی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ میری روح پرواز کر جائے گی یہ حالت تھوڑی دیر تک قائم رہی۔ پھر رفتہ رفتہ چہرہ مبارک اپنی اصلی حالت پر آنا شروع ہوا اور میں بھی ہلکا ہونا شروع ہو گیا یہاں تک کہ اصلی حالت پر آ گیا اور طبیعت ہلکی ہو گئی۔ اور اہل مجلس ان تمام حالات سے بے خبر تھے۔ اے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار خواجہ کفشیہ کے محلہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کا جسم مبارک مجھے بہت چھوٹا نظر آیا۔ میرے دل میں آیا کہ ملکوں پر تصرف کرنیوالی ہستی اور اس کا جسم اس قدر مختصر۔ یہ بھی محض عنایت و کرم خداوندی ہے اور کیا کہا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور پھر اسی طرح آپ کا روئے مبارک بڑا ہونا شروع ہوا اور اس حد تک بڑا ہوا کہ پورا حجرہ روئے مبارک سے پُر ہو گیا۔ (یہ دیکھ کر) میں نے اپنے کو ایک کونہ میں ڈال دیا اور حجرہ کی جگہ مجھ پر تنگ ہو گئی اور بدستور سابق حس و حرکت مجھ سے ساقط ہو گئی میں آپ کی آواز سن رہا تھا لیکن یہ نہ سمجھ پا رہا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ یہ حالت بہت دیر تک قائم رہی اور میں بے خود ہو گیا۔ پھر جب اصلی حالت پر واپس آیا تو دیکھا کہ آپ کا روئے مبارک بھی اصلی حالت پر آ گیا ہے اے

مولانا شیخ بیان کرتے تھے کہ جب ابتداء میں مجھ پر آپ کی توجہ و عنایت سے اپنی کوششوں کی بدولت ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوئے اور آپ کی تربیت و پرورش و پرداخت اپنا رنگ جانے لگی تو آپ نے مجھ کو زراعت کے کاموں پر مقرر فرمادیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امور ظاہری کی مصروفیت کی بنا پر باطنی امور میں کمی پیدا ہو گئی۔ ایک روز میں موقع تلاش کر کے خلوت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا حال دل عرض کرنے کا قصد کیا ہی تھا کہ آپ اپنی روشن ضمیری سے میرے کل احوال پر مشرف ہو گئے۔ اور بغیر میرے عرض کے ارشاد فرمایا کہ (ہمارے طریقہ کی) اس خانوادہ کے کاروبار کی علت غائی اور اصل کلی "خلوت در انجمن" ہے اور یہ ماخوذ ہے آیہ کریمہ جال لا تلصیصہ تجارۃ ولا بیع فیہ اغیار سے اپنا طریقہ مخفی رکھنا۔ کیونکہ غیرت دار محب اپنے محبوب کا حجاب پسند کرتا ہے اور اس طریقہ کے اخفا کیلئے ظاہری امور میں مشغول ہونے کے سوا کوئی اور برقع (طریقہ کار) نہیں ہے پھر میں نے عرض کرنا چاہا کہ ان دونوں عظیم الشان باتوں کا جمع کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمت مردانہ کام میں لاؤ۔ اللہ تعالیٰ امیدوں کا برلانے والا ہے۔ اسی اثنا میں میری خامی اور نایافت پر نظر فرمائی اور ایسی توجہ ڈالی کہ جو چیز بڑی کوششوں اور مشقوں سے کبھی کبھی پتر آتی تھی اچانک باطن پر حملہ کر آئی اور ہمیشہ قائم رہی۔ اور کسی بھی حالت میں کبھی زائل نہ ہوئی۔

مولانا سلطان بیان کرتے تھے کہ ایک روز مرشد برحق کی خدمت میں حاضری کا قصد کر رہا تھا۔

مولانا شیخ احمد اہلادلیا کے جلیل القدر خلیفہ اصحاب میں تھے۔ تزکیہ۔ تصفیہ۔ تہذیب اور تربیت غرض کہ تمام صفات آپ کی ذات میں موجود تھیں۔ پیر بزرگوار سرکار میں ملکی دہائی کاموں کے انتظام کا بہت کچھ تعلق آپ کی رائے پر منحصر تھا شب کو جب اپنے گھر جاتے تو تھوڑی دیر اپنے گھر والوں میں بیٹھتے اور کھانا وغیرہ کھاتے جب سب اپنے اپنے بستروں پر لیٹ جلتے تو خود بدولت چادر اوڑھ لیتے اور گھوم مار کر صبح تک قبلہ رخ ہو کر پیر و مرشد کی نسبت باطنی کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے رہتے۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں ایک سالس میں اکاون بار ذکر نفی و اثبات کر لیتا ہوں قلب و قالب کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ رشحات (۱۹۰)

لے رشحات ۱۹۱ لے

لے آپ خواجہ احمد اہلادلیا کے مخصوص خلیفہ اور ظاہری و باطنی علوم میں متبحر عالم تھے۔ احمد اہلادلیا کی اجازت سے حجاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر پیر مرشد برحق کی خدمت میں لوٹ آئے اور فوض و برکات حاصل کئے۔

میں نے چاہا کہ توجہ یا مراقبہ کے ذریعہ خدمت میں حاضر ہو جاؤں لیکن ممکن نہ ہوا۔ بالآخر نفی و اثبات کے ذریعہ کسی قدر حضوری حاصل کی اور اس کی نگہداشت کر کے خدمت میں حاضر ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ ”سلطان! کبھی نفی و اثبات بھی کرتے ہو“۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا اس وقت ایک نسبت پیدا ہوتی جو نفی و اثبات کا نتیجہ ہے۔ پھر فرمایا اگرچہ حضور مع اللہ ایک ہی شے ہے لیکن جو نسبتیں توجہ یا مراقبہ یا نفی و اثبات کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا رنگ ہوتا ہے البتہ اس فرق کا پہچانتا ان بزرگوں کا کام ہے جو علم لدنی کے عالم ہیں۔

مولانا خواجہ علی تاشقندی بیان کرتے تھے کہ جب خواجہ احرار الاولیاء نے خراسان سے وطن شریف لا کر کاشتکاری شروع کی تو اس وقت میں بیس سال کا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ بھی میرے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے۔ اسی دوران میرے طالب علم دوستوں نے مجھے تحصیل علم کیلئے سمرقند جانے کیلئے آمادہ کیا۔ میں ان کے شوقِ دلانے پر سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا چونکہ آپ سے اجازت لیکر نہیں روانہ ہوا تھا لہذا پہلی ہی منزل میں ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ ایک قدم بھی آگے چلنے کی سکت نہ رہی۔ بخار کی شدت اتنی تھی کہ جسم جھن رہا تھا اور سر میں ایسا شدید درد تھا کہ سر پٹا رہا تھا۔ جب موت کا یقین ہو گیا تو فریاد کرنے لگا کہ لے دو ستوا تم جاؤ اور مجھ کو یہیں چھوڑ دو۔ مجھ میں تو حرکت کرنے تک بھی سکت نہیں رہی ہے۔ جیسے ہی نوئے کی نیت کی اسی وقت سے بہتر ہونا شروع ہو گیا۔ جیسے جیسے تاشقند قریب آتا جاتا تھا ضعف و کمزوری دور ہو جاتی تھی۔ جب آپ کے حجرہ میں پہنچا تو بالکل تندرست تھا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا اور مسکرا کر فرمایا۔ کیوں۔ تم سمرقند نہیں گئے۔ مجھ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ نہایت شرمندگی کے ساتھ قدم بوس ہوا اور اپنی بے ادبی کی معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے عنایت فرمائی پھر فرمایا خدمت کے لئے تیار ہو جاؤ مجھے تم سے بہت کام لینا ہے جب خواجہ احرار الاولیاء مرزا سلطان ابوسعید کی عرضداشت پر تاشقند سے سمرقند روانہ ہونے لگے تو کل کاروبار دنیاوی مولانا

۱۹۱ رشحات

سے مولانا خواجہ علی تاشقندی حضرت اقدس کے قدیم اور جلیل القدر اصحاب اور خلفائے کراموں میں تھے۔ ابتدائے حال میں تاشقند میں شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئے آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے۔



ہی کے سپرد فرمایا۔ اور مولانا کا تصرف اس حد تک پہنچ گیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کی طرف سے بیس بیس خطوط شایان وقت۔ امرار ارباب حکومت (انصران) کو لکھتے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی یہ مجال نہ تھی کہ مولانا کے فرمودات سے سرمور و گردانی اور تعمیل حکم میں کوتاہی کرتا۔ ۱۷

شیخ حبیب تاجر تاشکندی بیان کرتے تھے کہ ایک بار حضرت اقدس تاشقند میں کچھ احباب سے رنجیدہ و منغص ہو کر فرکت روانہ ہو گئے وہ لوگ بھی آپ کے پیچھے پیچھے نیاز مندانہ عذر و معذرت کرتے ہوئے چلے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ "منار" گاؤں میں مولانا سیف الدین مناری کی قبر کے سرہانے مولانا اسماعیل فرکتی ولد مولانا سیف الدین کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں یہ سن کر وہ سب وہاں پہنچ گئے۔ آپ پر اس وقت شان جلال طاری تھی۔ جیسے ہی انھوں نے حجرہ میں قدم رکھا اور جس کی بھی نظر چہرہ اقدس پر پڑی بیہوش ہو کر لوٹنے لگا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریب تھا ان سب کی روہیں پرواز کر جائیں۔ صورت حال دیکھ کر مولانا اسماعیل وہاں کے چند مخلصین کے ساتھ کھڑے ہوئے اور سروں کو برہنہ کر کے ان کی جانب سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کے اہتمام پر ان سب کی خطاؤں کو معاف فرمایا اور لطف و کرم کے آثار آپ سے ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ پھر وہ سب کے بعد دیگرے ہوش میں آکر اپنی اصلی حالت پر واپس آئے۔ ۱۸

مولانا زادہ انزاری بیان کرتے تھے کہ میں جب احرار الاولیاء کی خدمت میں شرف قبولیت سے مشرف ہوا تو ایک روز آپ کی مجلس میں میرے دل میں آیا کہ کیا وہ ہے جو حضرت مجھے ذکر تلقین نہیں فرماتے جب اس خیال نے بار بار استیاء تو اچانک آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "ہر کام شخص کے مناسب حال نہیں ہوتا کرو دوسرے لوگوں کے لئے مناسب ہے۔ تمہارا استعداد تو ویسے ہی اچھی ہے تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

(نہ ترک عمل کا ہر کس بود نہ فضل خدا یا ہر کس بود)

۱۹۵ رشتات

سے شیخ حبیب تاجر تاشکندی احرار الاولیاء کے فیاض اور مقبول ترین اصحاب میں تھے۔ معرفت و حقیقت آپ کا شعار اور رجال لا تبسّم لکے گروہ سے آپ کو خاص نسبت تھی۔ نیز خدمت کے بیکر عزم تھے۔ احرار الاولیاء کی طرف سے تاشقند کے شکر خانہ اور مخلصین

و متعلقین کے قیام و طعام کا انتظام وغیرہ آپ ہی کے سپرد تھا۔ رشتات ۱۹۵

۱۹۵ رشتات

سے مولانا زادہ انزاری بھی خواجہ احرار الاولیاء کے جلیل القدر خلفاء اور مقبول اصحاب میں تھے۔ ان کا اصل نام تو محمد عبداللہ تھا لیکن مولانا زادہ انزاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ احرار الاولیاء کی حیات میں سفر کی اجازت نیکر حجاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر شام آئے پھر وہاں سے دمشق آکر مستقل سکونت اختیار کی اور عرصہ تک مرجع طالبان رہے پھر اسی جگہ دنیا سے جات فرمائی۔ ۱۹۶ رشتات

۱۹۶ رشتات

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ابتداً احوال میں جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں ایک غلش یہ رہتی تھی کہ اس سے قبل میں ”طبقہ عشقیان“ کی صحبت میں پہنچ گیا تھا اور کچھ عرصہ ان کے طریقہ کی مشق بھی میں نے کی تھی۔ اب تو میں ان کی محبت و عقیدت کے پھندے سے نکل آیا ہوں ایسا نہ ہو کہ ان کی ارواح کی طرف سے مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ صبح تک یہ خیالات پریشان کرتے رہے جب صبح کو خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا کہ ”مشائخ کے کس طبقہ سے تمہارا میل جول رہا ہے؟“ عرض کیا کہ یہاں کی حاضری سے قبل ”طبقہ عشقیان“ سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کے طریقہ کی مشق بھی کیا کرتا تھا۔ فرمایا آج رات کو ایسا نظر آیا (مشاہدہ ہوا) کہ ترکی مشائخ کی ایک جماعت بڑے بڑے ہتھیاروں سے لیس ہمارے احاطہ کے چاروں جانب گھوم رہی ہے لیکن (باوجود کوشش) کسی طرح اندر داخل نہ ہو سکی اور نہ نعرہ ہی کر سکی۔ غالباً یہ سب تمہاری وجہ سے ہو گا یہ سن کر میرے اندر سے تمام خیالات پریشان نکل گئے۔ اور مجھے یک گونہ سکون مل گیا اور مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ حضرت کے سایہ شفقت و رافت میں ہمیشہ ہمیشہ آفات ظاہری و باطنی سے محفوظ رہوں گا۔

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ میرے حجرہ میں تشریف لاتے اور کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کھانے کا سامان خواجہ علی سے لے لو۔ اور خواجہ علی اس وقت آپ کے کل امور کے نگراں اور مہتمم تھے جب کھانا حاضر کیا گیا تو آپ نے اسکی طرف رغبت نہ فرمائی لیکن اور لوگوں نے کھایا۔ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کھانے میں کچھ بے احتیاطی ہوئی ہے اور بہت تاکید سے فرمایا کہ اس بات کی تحقیق کرنا چاہیے بہت چھان بین کے بعد یہ پتہ چلا کہ ایندھن کے سلسلہ میں کچھ سہو (قصور) ہوا ہے۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوئی تو غصہ آگیا اور فرمایا کہ خیر عمل کا داؤد اراکل حلال پر ہے جس میں بہت احتیاط کرنا چاہیے۔ کیونکہ بدن میں جو کچھ پیہچتا ہے اس کا اثر سالک کے تمام اعضا پر ہوتا ہے۔ یہ تمام بے لطفی اور پریشانی جو تم دیکھتے ہو بیشتر مشتبہ کھانے کے باعث ہوتی ہے۔

بعض خدام بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت اقدس نقرار کی ایک جماعت کے ساتھ ایک مخلص

کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ محفل خوب گرم تھی اور آپ کے تصرف کا اثر تمام حضار پر طاری تھا۔ حتیٰ کہ جو شخص بھی اس وقت مجلس میں آکر بیٹھتا اس کیفیت میں ایسا محو ہو جاتا کہ (چاہئے کے باوجود) وہاں سے نہ اٹھ سکتا۔ اسی اثنا میں کھانا لایا گیا۔ مولنا زادہ پر ایسا شدید استغراق طاری تھا اور وہ اپنے سے اس حد تک غائب اور بے خبر تھے کہ ہر چند لوگوں نے انھیں چونکانا چاہا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اچانک حضرت اقدس کی نظر اس جانب اٹھی تو دیکھا کہ ایک شخص مولنا زادہ کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ آپ کو یہ دیکھ کر غصہ آگیا اور فرمایا۔ کیوں بے ادبی کر رہے ہو۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہر شخص اپنی حسب استعداد و قابلیت ہم سے کچھ نہ کچھ فیض حاصل کرتا ہے۔ مولنا زادہ بھی اس وقت ہم سے ایسی حالت سے مشغول ہیں کہ دونوں جہانوں سے بے خبر ہیں۔ اگر تم کو ان کی اس حالت و کیفیت داغ ہو جائے تو اس کے شک میں کھانے کی لذت ہی تم بھول جاؤ۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

ایں شیوہ عشق ہر خسے رانہ بود      ایں واقعہ ہر بواہو سے رانہ بود  
منکر چہ شوی بہ حالت زندہ دلاں      نے ہر چہ ترانیست کے رانہ بود

ریشات کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت اقدس مجت ذاتیہ بر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں مجت ذاتیہ سے مراد حضرت حق کے ساتھ بغیر کسی وجہ اور سبب کے ربط و عشق ہے۔ بلکہ ایسا میل و انجذاب جس کے دفع کرنے پر اختیار نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ تاشقند کے اطراف میں دو لڑکوں میں یہ نسبت دیکھی۔ ایک تو ہمیشہ ہمارے حلقہ کے چاروں طرف پھرا کرتا تھا۔ اور کبھی دور پر گردن جھکاتے بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز جب میں وضو کے لیے اٹھا اور لوٹا اٹھا کر وٹو کیا تو اس سے یہاں آنے اور حلقہ کے گرد گھومنے کا سبب پوچھا۔ کہنے لگا سبب تو میں جانتا نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ جس وقت یہاں آتا ہوں تو اپنے باطن میں حضرت حق کے ساتھ ایک کشش اور جذبہ شوق پاتا ہوں اور اپنے کو تمام خواہشات سے بری سمجھتا ہوں اور اس سے مجھے بڑی لذت ملتی ہے اور جس وقت یہاں سے باہر نکلتا ہوں تو اس نسبت سے محروم ہو جاتا ہوں۔ (اور جو دوسرا لڑکا تھا وہ نہایت حسین و جمیل تھا۔ اور ہمارے اصحاب کے ساتھ انس رکھتا تھا۔ اور اس اطراف میں بکثرت لوگ

اس سے دینی محبت رکھتے تھے۔ اور اس بڑے قلبی پر اکثر اختیار ہمارے اصحاب کو نشانہ ملامت بناتے تھے۔ میں نے کہا اس سے کہو چلا جائے۔ چنانچہ اس سے بہت اصرار کیا گیا اور اس کو وہاں سے دور کرنا چاہا لیکن وہ کسی طرح جانے کو تیار نہ ہوا۔ جب بہت کہا گیا تو اس نے رونا شروع کر دیا اور بہت بیتاب ہو کر کہنے لگا کہ میرے یہاں نہ آنے سے تم کو کیا ملے گا؟

(جانِ نثار دیوانہ یہ تو بتا برہم کیوں ہے۔ ہم جو محبت کرتے ہیں تجھ سے ترا کیا جاتا ہے)

باہر لوگ مجھے پریشان کرتے ہیں اور میرا دل خواہشات کی کشاکش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وسوسے مجھے گمراہ لیتے ہیں اور اس کیفیت حضوری و جمعیت باطنی سے جو اس حلقہ میں مجھے ہوتی ہے محروم ہو جاتا ہوں۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اسے دل کے ہاتھوں معذور و مجبور سمجھ کر اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ اس نسبت سے ایسا مغلوب ہو گیا کہ اکثر اوقات اس عالم وارفتگی میں اپنے گھر کا راستہ تک بھول جاتا۔ اور جب کبھی مجھے اس سے کوئی کام ہوتا تو قبل اس کے کہ میں اس سے وہ کام کرنے کو کہوں پہلے ہی سے وہ کام کر دیتا تھا یا کرتا ہوتا تھا۔ اور یہ قبول صورت رطکا جس کے سلسلہ میں حضرت فرماتے تھے مولانا نور الدین تاشکندی تھے لے

سے مولانا نور الدین تاشکندی احرار الاولیاء کے خلیفہ و رتوسلین میں آپ کے بہت نزدیک تھے۔ آغاز شباب بلکہ بچپن سے ہی آپ کی محبت کا تصور اپنے دل میں رکھا کرتے تھے۔

اَنَا فِي هَوَاهُ قَبْلَ اَنْ اَعْرِفَ الْهَوٰى۔ فِصَادِ قَلْبِي خَالِبًا فَتَمَكَّنَا بَالُكُ اِنْ كَيْ حَسْبُ حَالِ تَحَا

(میرے پاس اس کی محبت آئی قبل اس کے کہ میں محبت کو پہچانوں۔ اور چونکہ میرا قلب خالی تھا وہاں میں گھس گئی اور قیام اختیار کر لیا)

وہاں کے ابتدائی سال یعنی ۱۸۴۲ء میں نیپلرنگ کا ایک دانہ جو طاعون کی علامت تھا احرار الاولیاء کے بانی پہلو پر برآمد ہوا۔ فتنائی اٹھنی کا ثبوت دیتے ہوئے مرشد برحق کے اس دام کو اپنے اوپر لے لیا اور خود کو اس پر قربان کر دیا اسی وقت وہ دانہ مولانا کے پہلو پر منتقل ہو گیا۔ خواجہ صاحب صحتیاب ہو گئے اور تین روز بعد مولانا رحلت فرما گئے۔ رشتہات ۱۹۷۔

اذا کار ابرار ۱۷۷  
لے رشتہات ۱۹۷

مولانا صرا دین اتراری بیان کرتے تھے کہ ابتداء حال میں جب کہ سمرقند والے احرار الاولیاء سے واقف بھی نہ تھے۔ ایک جماعت تاشقند سے آئی ہوئی تھی ان میں سے بعض لوگ حضرت اقدس کے فضائل و محاصل۔ خرق عادات۔ امور عجیبہ اور کمالات باطنی کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ عجیب و غریب خبریں اور کرامتیں سن کر (جو سوا اولیاء اللہ کے دوسرے میں نہیں ہو سکتیں) مجھے شدت سے شوق قدم بوسی پیدا ہوا۔ لیکن چونکہ دل ایک پیکر ناز و حسن پر فریفتہ تھا اور اس حسین منظر سے آنکھ لڑی ہوئی تھی لہذا سمرقند چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب متواتر یہ خبریں سننا رہا تو باوجود گرفتاری دل کے طالبین کی ایک جماعت کے ساتھ تاشقند روانہ ہو ہی گیا۔ جب تاشقند پہنچا تو آپ اس وقت باغستان (جو تاشقند کا ایک بہار ہے) میں تشریف فرما تھے۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس سے کہیں زائد پایا جیسا سنا تھا چند روز بعد موسم بہار آیا جو عشق و محبت کے سلسلہ کا محرک ہوتا ہے۔ اُدھر بہار کی شادابی۔ اُدھر اس جوان کی محبت کی شورش اور دلولہ اور رخا عشق کی چھین ان سب باتوں نے دل کو بے چین کر دیا۔ میں نے چاہا کہ آپ سے اجازت مانگ کر ”لب آب کوہک“ کی سیر کو جاؤں اور وہاں اس جوان سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ میں اجازت مانگنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اجازت نہ دی جب نوروز کی صبح ہوئی تو اس جوان کی یاد شدت سے سستانے لگی۔ اور بلا کارِ نج طاری ہو گیا اسی دوران ایک روز حضرت اقدس اپنے چند اصحاب کے ساتھ سوار ہو کر ایک گاؤں کی جانب روانہ ہوئے اور مجھے بھی اپنی ہمراہی کا شرف عطا فرمایا لیکن اس سیر صحرا میں بھی میرا دل بالکل نہ بہلا کیوں کہ وہ اس جوان اور ”لب آب کوہک“ کی سیر کی طرف ہمہ تن متوجہ تھا۔

(ان کے بہلائے بھی نہ بہلا دل رائگاں سعی التفات گئی)

اور میں اس صورت حال سے نہایت شرمندہ تھا۔ اچانک ایک لالہ زار کے قریب سے گزرے اور گھوٹے کی پیٹھ سے دست مبارک بڑھا کر لالہ کا ایک پھول توڑا اور مجھے دیکر فرمایا کہ ”مولانا صرا دین! تم کو شرم نہیں آتی کہ ایسی صحبت۔ سیر صحرا۔ اور لالہ زار میں تم اس جوان کی یاد اور ”لب آب کوہک“ کی سیر کو یاد کر رہے ہو۔“ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میں سر سے پیر تک پسینہ پسینہ ہو گیا آپ نے

مولانا صرا دین اتراری احرار الاولیاء کے خلیفہ نیز خدام اور مقبولین میں تھے۔ اور مولانا زاوہ اتراری کے برادر اصغر تھے۔ آپ کا

زائد حال دریافت نہ ہو سکا

جب میری حالت ندامت ملاحظہ فرمائی تو اسی وقت ایسی توجہ و عنایت فرمائی کہ اس جوان کی محبت اور تعلق میرے دل سے یکلخت مٹ گیا اور اس کی جگہ حضرت اقدس کی محبت نے ڈیرہ ڈال دیا۔

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ جب سلطان ابو سعید مرزا نے سمرقند فتح کیا اور حضرت اقدس اس کی درخواست پر تاشقند سے سمرقند آئے تو ایک روز اپنا مستقر طے کرنے کیلئے (یعنی کس جگہ قیام کیا جائے) سمرقند کے باہر محلات اور باغات میں سیر فرما رہے تھے چلتے چلتے خواجہ کفیر کے محلہ میں پہنچے اور اس جگہ کو پسند فرما کر منتخب کر لیا۔ اور میں بھی اس سیر کے دوران آپ کے ہمراہ تھا۔ جب رات ہوئی اور آپ استراحت فرمانے کیلئے تشریف لیکئے تو میرے دل میں آیا کہ آپ آج بہت تھک گئے ہوں گے اور میں خود سے اس کی جرأت اور بے ادبی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر حکم کے آپ کے سامنے جاؤں اور خدمت کر دوں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ خود بدولت اس کا حکم فرماتے۔ میں ارشاد کا منتظر تھا کہ اچانک آپ نے فرمایا۔ مولانا ناصر الدین! تم بھی بہت تھک گئے ہو گے۔ اگر نہ تھکے ہو تو آؤ۔ میرے لئے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔ چنانچہ میں دوڑ کر خدمت میں مشغول ہو گیا۔

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ جب میں ابتدائے حال میں سمرقند سے تاشقند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں ایک بہت بڑے عالم تھے جو فن منطق میں منفرد اور تمام علوم ریاضی میں نہایت متبحر تھے۔ ان کا نام مولانا میر جال تھا وہ فلندری لباس یعنی گڈری پہنا کرتے تھے اور تارکِ صلوٰۃ تھے۔ محرمات کے ارتکاب میں نہایت دلیر اور بے حیا۔ نیز مشائخ کرام اور اولیائے عظام کے طریقہ کے منکر تھے اور ہر وقت حضرت کی غیبت کرتے اور آپ کے بارہ میں ناشائستہ کلمات اور بے ادبیاں باتیں کہا کرتے تھے۔ ایک روز میں ایک مجمع میں تھا اور وہ بھی وہاں تھے اور حضرت اقدس کے بارہ میں حسب معمول سرگرم لاف تھے اور اپنی کمینگی اور خبیث نفس کا مظاہرہ کر رہے تھے جب مجھ کو دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ میں بھی آپ کے خدام میں سے ہوں مجھ سے الجھنا شروع کر دیا۔ (اعترافات شروع کر دیئے) اور کہنے لگے کہ تم بھی کس کے معتقد ہو گئے جس کے پاس نہ علم ہے اور نہ حال۔ نہ ذکر ہے نہ خلوت۔ میں آج اس کی مجلس میں آؤں گا اور اس سے چپا کر بھنگ کھاؤں گا اور اس کو حکم دوں گا کہ فلاں فلاں



کھانا اور حلوا میرے لئے سگوائے تاکہ تم دیکھ لو کہ اس کا نہ کوئی باطن ہے اور نہ حال۔ اور اس کا عمل کوئی اصلیت و حقیقت نہیں رکھتا۔ میرے دل کو اس کی ان باتوں سے سخت چوٹ لگی لیکن مصلحتاً خاموش رہا۔ پھر وہاں سے غمگین و افسردہ اٹھ کر حضرت کی خدمت میں روانہ ہوا اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے اپنے تین چیلوں کے ساتھ جو اس سمسٹر اور کینہ پن میں شریک تھے روانہ ہوئے اور سب ایک ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ اور میں نہایت پریشان اور متفکر تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو) وہ کینہ پھر کوئی بے حیائی اور بے ادبی نہ کرے۔ جب وہ بیٹھے تو گفتگو کرنے سے قبل حضرت سے چپا کر تھوڑی بھنگ نکالی اور منہ میں رکھ لی انگٹا چاٹا تھا کہ وہ حلق میں پھنس گئی۔ (حالت اتنی نازک ہو گئی کہ سانس رک گئی۔ لاکھ کوشش کی لیکن وہ کسی طرح حلق سے نیچے نہ اتری۔ اور حالت غیر ہو گئی۔) آخر کار (حضرت اقدس کے حکم سے ان کی گدی پر زور زور سے گھونسنے مارے گئے جس کی وجہ سے وہ بھنگ ان کی حلق سے نکل کر بیچ مجلس میں گر پڑی۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین ہنسنے لگے اور وہ اس بڑی طرح شرمندہ ہوئے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اسی شرمندگی میں اپنے چیلوں کے ساتھ حضرت کی مجلس سے باہر آئے اور یہ قصہ پورے تاشقند میں مشہور ہو گیا اور وہ بہت بدنام و رسوا ہوئے۔ اور پھر وہاں سے ایسے بھاگے کہ ان کا کہیں نام و نشان تک نہ ملا۔

۱۷۰ رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس نے ایک روز ہندو خواجہ ترکستانی کو ایک صحرا میں محو طیران دیکھا کہ بلند پرواز چڑیوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں آپ کو ان کا یہ طریقہ (الہیہ کرامت) پسند نہ آیا۔ نہایت برہم ہوئے اور اسی وقت ان کی وہ کیفیت سلب کر لی۔ اور وہ ہوا سے اس طرح زمین پر گرے کہ ہڈیاں تک ٹوٹ گئیں اور وہ نہایت بے نصبت اور اجنبی ہو کر رہ گئے۔ پھر اٹھ کر نہایت نیاز مندانه عذر خواہ ہوئے اور آپ کے قدموں پر سر رکھ کر منت و سماجت اور گریہ و زاری کرنے لگے

۱۷۱ رشحات ۱۸۰۸ء ہندو خواجہ ترکستانی حضرت اقدس کے مقبول اور منظور نظر متوسلین میں تھے اور آپ کے پرنے ساتھیوں میں تھے۔ وہ ایک جوان سال سپاہی تھے اور ترکستان کے ان شیخ زادوں میں تھے جن پر حضرت اقدس نے عنایت فرمائی اور ان کو ایک شغل باطنی تلقین فرمایا۔ ان سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہوئے۔ رشحات میں لکھا ہے کہ وہ ایک وجہ اور بارعب آدمی تھے اور جذبی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی رشحات ۱۹۹ء

لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ تقریباً ایک سال اسی بے توجہی میں گزر گیا۔ آخر کار صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور جلیلا کر حضرت سے تعلق اور بے ادبیاں شروع کر دیں۔ ایک روز کہنے لگے کہ میری نسبت و حالت جو آپ نے بریلو کر دی ہے اگر واپس کر دیں تو خیر ورنہ میں آپ کو قتل کر دوں گا جب بھی قابو پاؤں گا۔ یا اپنے کو ہلاک کر لوں گا۔ جب آپ نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی تو وہ ہر وقت آپ کی تاک میں رہنے لگے۔ ایک روز حضرت کو باغ کے ایک کونہ میں پیدل اور تنہا پا کر چھڑے سے حملہ کر دیا۔ وہاں کوئی جگہ بچاؤ کی نہ تھی۔ آپ نے اپنے کو بطریق خلع لبس ایک چرواہے کی صورت میں تبدیل کیا یعنی سر پر سیاہ بالوں کی ٹوپی جسم پر سفید ریشمی قبا اور ہاتھ میں چرواہوں والی مضبوط لٹھی جب انھوں نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا تو اپنا ہاتھ روک لیا اور متعجب و متحیر ہو کر اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور ہاتھ پیروں کی حرکت جاتی رہی۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے چھرا لے لیا اور اپنی اصل صورت میں آکر تبسم فرمایا۔ اور فرمایا کہ اب بتاؤ اگر میں تم کو اس چھڑے سے قتل کر دوں تو تم کیا کرو گے۔ وہ یہ دیکھ کر آپ کے سامنے زمین پر اپنا منہ دگڑنے لگے اور زار و قطار رونے لگے اور نہایت درد سے فریاد کرنے لگے۔ آخر حضرت کو ان پر رحم آ گیا اور ان کو ان کی باطنی نسبت واپس کر دی۔ پھر انھوں نے آپ کے دست مبارک پر یہ عہد کیا کہ اب آئندہ اس قسم کی کوئی کراہت نہ دکھائیں گے۔ اور خوارقِ عادات کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کے کمان میں حتی الامکان کوشش کریں گے۔

مولانا اسماعیل فرکتی بیان کرتے تھے کہ میں ابتدائے حال میں آپ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے فرکت سے تاشقند آیا تو آپ نے میرے والد کی اس نسبت و ارادت کا خیال کرتے ہوئے جو انکو حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ سے تھی مجھ پر بری توجہ و عنایت فرمائی اور اسی مجلس میں آپ کی عنایت کی برکت سے ایک عظیم نسبت اور قوی جمعیت حاصل ہوئی۔ جو مسرت و خوشی اور انبساط باطنی کا سبب بنی رات میں خواب دیکھا کہ ایک سفید باز میرے ہاتھ پر بیٹھا ہوا ہے اور مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ اچانک وہ میرے ہاتھ سے اڑ گیا۔ جب بیدار ہوا تو شدت سے حالت قبض اور

۱۹۹ شمات ۱۹۹ مولانا اسماعیل فرکتی احرار الاولیاء کے مقبول اصحاب میں تھے اور مولانا سیف الدین مناری کے صاحبزادے تھے جو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہار الدین قدس سرہ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے جن کا ذکر اس کتاب میں گذر چکا ہے

رنج و غم پیدا ہوا۔ اور اس نسبت و طمانیت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ صبح کو خدمت میں نہایت ملول و غمگین حاضر ہوا۔ آپ نے سبب پوچھا میں نے خواب عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم کو صحبت میں بہت اچھی نسبت حاصل ہوئی تھی لیکن جب تم سو گئے تو وہ نسبت جاتی رہی۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس سے کسب معارف اور اخذ حقایق کیا جاسکتا ہے اور باز کو جو تم نے دیکھا تو وہ اسباب صید میں سے ہے۔ غمگین نہ ہو شاید وہ باز دوبارہ ہاتھ آجائے۔ یہ فرماتے وقت ایسی توجہ فرمائی کہ اسی مجلس میں وہی طمانیت قلبی اور گمشدہ نسبت حاصل ہو گئی۔ اور وہ قبض اور رنج و ملال مُبَدَّل بہ انشراح و انبساط باطن ہو گیا اور سرورِ عظیم حاصل ہو گیا۔ اس واقعہ اور مشاہدہ کے بعد پھر میں کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ اور آپ سے میرے تعلق خاطر کا یہی سبب ہوا ہے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت اقدس کے اصحاب کی ایک جماعت فرکت میں میرے گھر پر تھی اور صحبت بڑی دلچسپ تھی۔ اس وقت سب لوگوں کے دلوں میں یہ آیا کہ کاش کیا ہی اچھا ہوتا اگر حضرت بھی یہاں تشریف فرما ہوتے۔ (اتفاق) اسی وقت حضرت اقدس بھی تاشقند سے تشریف لائے اور اس مجلس میں آکر بیٹھ گئے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ جب آپ کی نظر ان اجاب پر پڑی اور سب کو خوش اور مطمئن دیکھا تو یہ شعر پڑھا ہے

بر شکر ظلیداے سودائیاں از برائے کوری صفرائیاں  
اے سودائیو! شکر پر لوٹو صفرائیوں کے اندھے پن کی وجہ سے

(یعنی اے سودائی مزاج رکھنے والے عشاق ذات تم کو وہ شیرینی نصیب ہوئی جو رسول اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں خواللہ احد کے مشاہدے سے حاصل ہوئی تھی یہ شیرینی صفراوی مزاج رکھنے والوں کے لئے مضر ہے اور ان کو یافت ذات سے اندھا (محروم) کر دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ علمائے ظاہر (علمائے سور) علمائے راسخین کے مقام سے نابلد رہتے ہیں)

آپ کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ سب پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ یکبارگی لوٹنے لگے اور بہت دیر تک مد ہوش پڑے رہے۔ پھر آپ کی توجہ سے سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوش میں آتے گئے۔ ہر ایک کو عجیب و غریب کیفیت حاصل ہو گئی تھی۔ اور اس کا اثر ہر شخص کی قابلیت و استعداد کے مطابق بعض کے باطن میں تین روز تک۔ بعض میں ایک ہفتہ تک اور بعض میں دس روز تک بلکہ اس سے بھی زیادہ باقی رہا۔ (رشحات ۹۹)

عہدِ اولیاء کے مجملہ خلفاء کے تین خلفاء اور بھی تھے جن میں سے ایک خلیفہ مولانا اسماعیل قمری دوسرے مولانا اسماعیل شمسی۔ تیسرے مولانا اسماعیل ثالث تھے۔ مولانا اسماعیل قمری اور مولانا اسماعیل شمسی دونوں تبریز کے رہنے والے تھے مولانا اسماعیل قمری نہایت دانشمند اور متقی تھے ہر رات سے سمرقند آئے اور حضرت کی ملازمت اختیار کی۔ اکثر اوقات آپ کے ہمراہ سوار ہوتے اور حضرت نو ذی کبھی کبھی مجالس میں ان سے علمی مباحثہ فرماتے تھے۔ ان پر نسبت علمی غالب تھی۔ مولانا اسماعیل شمسی نہایت صاحبِ اہلیت و استعداد تھے۔ حضرت اقدس سے تعلیم سے شرف تھے۔ شغلِ باطنی کے آثار ان سے ظاہر تھے۔ مولانا اسماعیل قمری کے ہمراہ آئے۔ چونکہ دونوں ہم نام تھے لہذا سب لوگ دونوں میں امتیاز دینے کے لئے ایک کو مولانا اسماعیل قمری اور دوسرے کو مولانا اسماعیل شمسی کہنے لگے۔ چنانچہ وہ اسی سے مشہور ہو گئے۔ چند سال بعد حضرت اقدس نے ان کو تاشقند میں اپنے تعمیر کردہ مدرسہ میں درس و تدریس کے کام پر مامور فرمادیا۔ چنانچہ وہ بقیہ عمر وہیں رہے۔

مولانا اسماعیل ثالث ایک خوش طبع طالب علم اور کتب مروجہ کے عالم تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ہر رات سے سمرقند آئے ان ایام میں مولانا اسماعیل قمری اور مولانا اسماعیل شمسی دونوں حضرت کی خدمت میں تھے لہذا اصحاب نے ان کو مولانا اسماعیل ثالث سے یاد کیا چنانچہ وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض لوگ بیان کرتے تھے کہ ان کے سمرقند آنے سے چند روز قبل حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک قابل آدمی میرے لئے آ رہا ہے۔ انھیں ایام میں مولانا اسماعیل ثالث ہر رات سے آئے اور حضرت اقدس نے ان پر بہت عنایت فرمائی۔ اتفاق سے اس وقت اس مجلس میں انگور رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان میں سے ایک خوشہ اٹھا کر ان کو عطا فرمایا اور ان پر ایسا تصرف فرمایا کہ ان کا حال متغیر ہو گیا اور غیبت و بخود کی ایسی کیفیت ان پر طاری ہوئی کہ وہ خوشہ ہاتھ سے چھوٹ کر ان کی گود میں گر پڑا۔ اور وہ دیر تک اسی غیبت و بخود کی حالت میں پڑے رہے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ کی خدمت پر کمر بستہ ہو گئے۔ وہ ایک قداؤ اور قوی ہیکل آدمی تھے۔ جب تک حضرت اقدس حیات رہے وہ مردانہ وار آپ کی خدمت کرتے رہے اور سفر و حضر میں موجود رہے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حجاز چلے گئے اور حرمِ مکہ میں بحالورت کی نیت سے مستقل سکونت اختیار کی اور اس سرزمین میں مرجعِ خلافت رہے۔ (رشحات ۲۰)

# واقعہ وصال

الان اولیاء اللہ لا یموتون بل ہمہ یثقلون من داس الی دایم

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے کبھی اس گھر میں جا اترے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے  
اس محفل اشک و آہ اور منزل آب و گل میں آپ کا وجود باوجود وہ نعمت عظمیٰ  
اور انعام غیر مترقبہ تھا جس سے محرومی اس دور کی سب سے بڑی بد قسمتی شمار ہو سکتی ہے اپنی عزیز الو جو  
کے تقریباً نو اسی سال تک رشتہ ناسوتی میں منسلک رہنے کے بعد اب وہ وقت آگیا تھا کہ جزو کل میں  
مل جائے وہ ہستی جو عالم مستی میں بھی باہوش و باکمال رہی جو دینوی جلال و جبروت کا ایسا نمونہ تھی  
جس سے بڑے بڑے سلاطین لرزتے تھے جس کے چشم و ابرو کے اشاروں اور کنایوں پر امار  
سر تسلیم خم کر دیتے تھے جس کے تبارِ نظر سے ملکوں کے قضیے فیصلہ ہوتے تھے جس کے حلقہ  
اقتدار کی وسعت سے ہزاروں بندگان خدا محفوظ و مامون تھے جس کا ایک ایک لمحہ خلق خدا کے غموں  
کو دور کرنے کے مرہم ڈھونڈھتا رہتا تھا جس کا دل تمام دولت سرمد کے ساز و برگ رکھنے  
کے باوجود معرفت و محبت الہی سے معمور رہا جس کا ہر بن موزبان <sup>حال</sup> سے یہ اعلان کرتا رہا ہے  
بند کہ سینہ ام را بشکاف و جاں بروں کن کہ درون خانہ تو دگرے چہ کار دارد

جس میں غیر اللہ اور ماسویٰ کی کہیں گنجائش نہ تھی جس کے خانہ دل پر اس  
حسن ازل کا قبضہ تھا جس کی تجلیوں نے ان کی ہستی کو سراپا نور ہی نور کر دیا تھا اور جس کے باعث  
تسخیرِ قلوب کا وہ اسم اعظم ان کو عنایت ہوا تھا کہ ساری ان کے قدموں پر سر نیاز خم کرتی رہتی تھی  
جن کی ظاہری دولت و ثروت اور افراط متاع دنیا ان کی نظروں میں ایک ذرہ خاک سے بھی حقیر  
درجہ رکھتی تھی جو دولت کو نین کو املاک حق سمجھ کر خلق عامہ کی فلاح و بہبودی اور راحت  
رسانیوں کا ذریعہ بنائے رہے یہی دولت جو اہل دنیا کے لئے عذابِ جان اور برباد کن  
عافیت بن سکتی ہے وہ اس کے ہاتھوں مناد و عامہ کا اسیا کار آمد اور مؤثر ذریعہ بنی کہ اس کے شجر

طوبی کے سایہ میں لوگ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے اور خوش وقت و خوش حال رہے جس نے باہم یک دگر مخالف بادشاہوں کی سرحدوں کی نشاندہی کی اور ان کے حلقہ اقتدار کو تشخیص اور مقرر کر کے ان کو صلح و آشتی کی سعادت سے نوازا۔ اب وہ وقت موعود آگیا تھا کہ جاہ و جلال - کرد و فر - رعب و داب اور افواج ظفر موج رکھتے ہوئے بھی ان تمام بادشاہوں کے تاج سرنگوں سے جائیں طالب مطلوب سے جاملے اور جب وہ چشم ظاہر سے پردہ فرمائے تو اپنے تصرف باطنی کا ایک مستقل اور پائدار اثر چھوڑ جائے اور جس کے سلسلہ کے بابت بزرگ اس روحانی منبع فروزان سے اکتساب نور کر کے زبد و درع، تقویٰ اور کمالات روحانی میں سرآمد روزگار ہو کر نقشبندی کے کارحی میں مشغول رہیں آج بھی نقشبندیہ سلسلہ شرع پرستی سے کاربند اور اپنے مشغلہ حسیں میں نمایاں مقام رکھتا ہے جس کے بزرگوں میں سادگی و پرکاری - بے خودی و ہشیاری کے اوصاف نمایاں رہے۔

رشتات کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب دوبارہ راقم حروف ۲۲ ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں آستان بوسی سے متصرف ہوا تو ایک روز آپ اپنی عمر شریف کے سلسلہ میں گفتگو فرما رہے تھے اسی دوران فرمایا کہ تین سال چار ماہ بعد میری عمر کے نوے سال پورے ہو جائیں گے (یعنی عمر میں تین سال چار ماہ اور جوڑ دیئے جائیں) آپ کے مرض کی ابتدا ہیکم محرم الحرام ۱۲۹۵ھ سے ہوئی اور وفات اسی سال ۲۹ ربیع الاول کو ہوئی یعنی کل ایام مرض کی تعداد تو اسی روز رہی وفات سے بارہ روز قبل فرمایا کہ اگر زندگی باقی رہی تو پانچ ماہ بعد تو اسی سال پورے ہو کر عمر نوے میں داخل ہو جائیگی بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں بھید یہ ہے کہ آپ کے مرض کی میعاد بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی مدت کے مطابق ہوئی گویا اس حدیث شریف ستمش یوم کفارۃ سنتہ (ایک دن کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے) کے معنی متحقق ہو گئے۔

مولانا محمد قاضی اپنے مسموعات میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت اقدس جب پہلی بار علیل ہوئے تو مجھے طبیب بلانے کے لئے ہرات بھیجا مولانا قاسم علیہ الرحمۃ اس وقت صحت مند تھے۔“

سے مولانا قاسم خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے اور آپ کے اس حد تک مقبول تھے کہ سب بیدار ملے منگو پر



مجھ سے بہت اصرار سے فرمایا کہ جاؤ اور جلد طبیب کو لے آؤ۔ مجھ سے حضرت کی تکلیف اب دیکھی نہیں جاتی

بقیہ حاشیدہ۔ لوگ آپ کو سایہ خواجہ احرار کہتے تھے۔ پیر کی اتباع اور فنا فی الشیخی میں درجہ کمال پر فائز تھے جس کا بین ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔ استغراق توحیدی آپ پر غالب تھا جس کی وجہ سے اکثر بے خود رہا کرتے تھے ابتداء میں حضرت کے باغ کی دیکھ بھال آپ کے سپرد تھی روزانہ صبح کو پھاؤڑا کندھے پر سنبھال باغ چلے جاتے تھے۔ جاتے وقت ان کی بیوی چند روٹیاں پکا کر جیب میں رکھ دیا کرتی تھیں شام تک پھاؤڑا چلاتے شب میں واپسی پر جیب کپڑے اتارتے تو وہ روٹیاں جیب ہی میں رکھی ہوتی تھیں۔ طریقہ خواجگان میں ایسے کھو جاتے تھے کہ یہ یاد ہی نہ رہتا تھا کہ ان روٹیوں کو کھانا چاہئے یا جیب میں رکھنا چاہئے۔ یہ مل گئی بے خودی شوق سے راحت کیسی ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

ایک روز حضرت اقدس اپنے گاؤں میں ایک خیمہ میں تشریف فرما حقایق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ مولانا قاسم تھوڑی دیر بعد بخود ہو جاتے تھے اور آپ کے انصاف سے ان کو پھر اصلی حالت پر واپس لے آتے تھے جب کی باریہ واقعہ پیش آیا تو آپ کے غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں تو حقایق بیان کر رہا ہوں اور تم دوسرے عالم کی سیر کر رہے ہو کیا تم کو علم نہیں کہ حلقہ میں بیٹھنے والے کو حلقہ سے باہر قدم نکالنا سخت بے ادبی ہے مولانا جامی مولانا قاسم کے مقابلہ میں کسی کے مقتدر نہ تھے ان کی بہت تعریف فرماتے متعدد بار فرمایا کہ مولانا قاسم اس نسبت میں گہمی ملی ہوئی روحی کی طرح ہیں یعنی ان کا رویہ روایاں اس نسبت سے معمور ہے دشمنیات کے مصنف نے پہلی بار جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا تو حضرت مولانا جامی سے اجازت چاہی انھوں نے فرمایا تم ابھی بہت چھوٹے ہو (میں اس وقت ۲۲ سال کا تھا) اور حضرت بہت بڑے اور اب وہ طالبین کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم جاؤ اور وہاں سے بجائے خوش ہو نیکی کے افسردہ و غمگین واپس آؤ اگر جانا ہی چاہتے ہو تو پہلے مولانا قاسم کی خدمت میں جاؤ اور ان کی ملازمت میں رہو عرض کیا کہ حضور براہ عنایت اگلو ایک سفارشی خط لکھیں تو زائد بہتر ہے انھوں نے انکی خواہش پر ایک پرچہ لکھ دیا (جو دشمنیات میں تحریر ہے) جب انھوں نے خط دیکھا تو کھڑے ہو گئے بوسہ دیا،، اور سر پر رکھا اور جیب تک آپ رہے وہ بڑی عنایت فرماتے رہے ایک روز تنہائی میں آپ سے فرمایا کہ میرے پاس کوئی علم و ہنر ایسا نہیں جو تمہیں بتاؤں لیکن چونکہ تم ایک صالح اور نیاز مند نوجوان ہو اور مولانا جامی کی ایسی سفارش لائے گئے لہذا حضرت کی ایک ایسی بات تم سے بیان کرتا ہوں جو اس سے قبل کسی سے نہیں بتائی اور وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس تمام مخلوق کے احوال پر مشرف اور قلوب پر مطلع ہیں ساٹھ سال کی عمر میں میرے ظاہری و باطنی اقوال میں کوئی فعل بسا صادر نہیں ہوا جس سے آپ واقف نہ ہوں اور اسکے واقع ہونے سے پیشتر مجھے آگاہ نہ فرمادیں میرے بعد الاول اپنے سموعات میں لکھتے ہیں کہ ۶ ذی الحجہ ۹۸۹ھ بوقت ظہر مولانا قاسم نے وفات پائی شام کو جب میں حاضر ہوا تو حضرت اقدس بہت روئے اور انکے اخلاق حمیدہ اوصاف پسندیدہ بیان کر کے فرمایا کہ فنایت اور تجرید باطن میں انکا مثل نہ تھا افسوس اب ہمارے پاس کیا رہا۔

تلمیح وفات :- مجمع فقرا قاسم انوار وجود - مستہلک بزم جمع و دریا - شہود - زائر و کمرشتہ بود از فیض وجود - تاریخ و آثار و فیاض کشود

دشمنیات (۱۸۹)

یہ کہتے ہوئے کافی دور تک میرے ساتھ ساتھ آئے جب میں طیب کو لیکر آیا تو حضرت مولانا وفات پا چکے تھے۔۔۔۔۔ جب حضرت اقدس کو ان کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا "ایک روز مولانا قاسم میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں اپنے کو حضور پر قربان کر دوں گا میں نے کہا قاسم! تم فقیر (غریب) اور بال بچے دار آدمی ہو۔ ایسا نہ کرنا کہنے لگے۔ میں اس سلسلہ میں حضور سے مشورہ لینے نہیں آیا ہوں میں یہ کام کر چکا ہوں اور اللہ نے اسے قبول بھی فرمایا ہے میں ان کو منع کرتا ہا لیکن وہ یہی کہتے رہے پھر چلے گئے اور واقعی یہی ہوا کہ ان کے جانے کے دوسرے ہی روز سے حضرت اقدس کا مرض مولانا قاسم میں منتقل ہو گیا اور حضرت اقدس ایسے صحتیاب ہوئے کہ طیب کی بھی ضرورت نہ پڑی حضرت مولانا ابوسعید اوہی (جو حضرت اقدس کے زمانہ علالت میں شب و روز آپ کی نقل و حرکت اور نشست و برخاست میں ہمہ وقت حاضر اور آپ کی خدمت و تیمارداری میں مستعد کمر بستہ رہتے تھے) کا بیان ہے کہ ۲۰ ربیع الاول ۸۹۵ھ شب چہار شنبہ جب کہ تحویل حوت کا وقت تھا آپ چہار شنبہ کے روز خواجہ کفیر کے محلہ سے کمانگراں گاؤں جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور شب پنجشنبہ کو غوجیاں کے باغ میں قیام فرمایا۔

۱۸۵۵ء مولانا ابوسعید اوہی آپ کے خلیفہ اور عالم باعمل تھے پچیس سال کی عمر سے احرار الاولیاء کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے ان سے تعلق پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ مرزا فتح بیگ کے مدرسہ میں درسی علوم کی تحصیل میں مشغول تھے اچانک بلا کسی سبب کے علوم ظاہری سے تکرید پیدا ہوا اور بے اختیار مدرسہ چھوڑنے کا عزم کر لیا وہاں سے روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی پوچھا کہاں سے آتے ہو اس نے جواب دیا کہ وہ نور سے شیخ الیاس عشقی کے پاس سے آ رہا ہوں آپ یہ سن کر کہ وہ نور کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں احرار الاولیاء کے مدرسہ کے پاس سے گزرے اس وقت احرار الاولیاء سواہی سے اتر کر مدرسہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے آپ نے سوچا کہ خواجہ ملاقات کر کے کہ وہ نور کو چیلنا چاہئے جیسے ہی خدمت میں حاضر ہوئے تو احرار الاولیاء نے یہ شعر پڑھا  
تو کوہ کجاری بہ من باخش۔ امروہ معاذ دجل نیست۔ آپ کو مضمون شعر سننے پر حرمت ہوئی دل میں کہا کہ اگر خواجہ نے میرے حال کے مطابق خیال فرمایا ہے تو دوبارہ پھر مجھ سے اسی خیال میں تھے کہ خواجہ نے آپ کا نام بیکر فرمایا (حالانکہ آپ کو ان کا نام معلوم نہ تھا) کہ یہ شعرو تم نے سننا شیخ کمال کا ہے پھر دوبارہ اسے پڑھا اس وقت سے آپ کی محبت و عقیدت بڑھتی گئی اور پھر آپ ہی کی خدمت میں رہے اور فیوض و برکات اخذ کئے (ادکار ابراہیم) آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے

اور صبح کو مصر کے راستہ سے کمانگراں روانہ ہوئے لیکن مرض کی شدت اور ضعف کے باعث اس دن اور اس رات مصر ہی میں قیام فرمایا پھر جمعہ کی صبح کو کمانگراں کی جانب روانہ ہوئے اور راستہ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد توقف فرماتے اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے شب شنبہ کو عشرہ کے وقت کمانگراں پہنچے اور پورے سات روز وہاں قیام فرمایا اور جمعہ کی صبح سے آخر روز تک لمبہ لمبہ ضعف بڑھتا ہی گیا ان تین ماہ کی مدت میں یعنی مرض کی حالت میں فرض نماز کی ادائیگی کا بطور خاص لحاظ فرماتے اور اسے ہمیشہ نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور اسے اول ہی وقت پڑھ لیا کرتے تھے خصوصاً شدت مرض اور ضعف میں اس کا خاص خیال رکھتے تھے جب کمزوری اور ضعف بہت بڑھ گیا تو ۲۹ ربیع الاول شام کی نماز کے وقت فرمایا کہ شام کی نماز تو ہو چکی ہوگی لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں ہو چکی آپ نے اشارہ سے نماز ادا کی عشرہ کی نماز کے بعد تھوڑا وقت گزرا تھا کہ روح مبارک نے صعود فرمایا اور جو رحمت میں پیوست ہو گئی جب آپ کی حالت میں تغیر پیدا ہوا تو وہ جمعہ کے دن کا ابتدائی وقت تھا کبارگی زمین لرزا ٹھی اور شہر سمرقند میں بہت سخت زلزلہ آیا اور فضا میں غبار چھا گیا اس وقت لوگ جامع مسجد میں تھے جن میں بیشتر لوگوں کو آپ کی شدت علالت کا علم تھا جب اس زلزلہ اور ان علامات عظمیٰ کو دیکھا تو آپ کے بارہ میں یہ یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی سانحہ عظیم رونما ہوا ہے بعد نماز پھر لوگوں کا ایک سمندر امنڈ پڑا اور شہر سے نکل کر کمانگراں روانہ ہوا اور عشرہ کی نماز کے وقت جب حضرت کی روح مبارک نے ملاز علی کی جانب کوچ فرمایا تو دوبارہ پھر زمین لرزا ٹھی اور شہر سمرقند میں شدید زلزلہ آیا اور مرزا سلطان احمد اپنے تمام ارکان دولت کے ساتھ غروب آفتاب کے وقت شہر سے کمانگراں شام کی نماز کے بعد آپ کے پاس پہنچے اور پینچم کے روز صبح کے وقت میر دردیش محد ترخان بجلت مرزا کے (دپاس) سامنے سے آئے اور آپ کی نعش مبارک کو ایک میاں میں رکھ کر شہر کی جانب روانہ ہوئے اور فجر کی نماز خواجہ کفشیہ کے محلہ میں ادا کر کے فوراً غسل اور تجمیز و تکبیر میں مشغول ہوئے اور فراغت کے بعد شہر کے تمام خواص و عام نے ملایوں کے احاطہ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر اسی احاطہ میں دفن کیا اور آپ کی اولاد بزرگوار نے اس جگہ ایک رفیع الشان مقبرہ بنیاد رکھی اور آپ کے مزار مبارک کو نہایت عمدہ اور خوشنما انداز اور بہترین طور پر تعمیر کیا۔

بعض لوگ جو آپ کی وفات کے وقت موجود تھے نیز بعض وہ حضرات جنہوں نے حضرت خواجہ محمد علی سے سنا تھا بیان کرتے تھے کہ جب آپ کی ریح مبارک کی رخصتی کا وقت قریب ہوا تو وہ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت تھا اور گھر میں بہت سے چراغ جل رہے تھے جن کی روشنیوں سے پورا گھر خوب روشن تھا اچانک لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی ابرو ان مبارک کے درمیان سے بجلی کی ایسی تیز روشنی نکلی جس نے گھر میں جلتی ہوئی تمام روشنیوں کو مدھم کر دیا اور وہاں بننے لوگ موجود تھے سب نے یہ چیز مشاہدہ کی۔

اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجہ فی علین من الذین انعم اللہ علیہم من التبین والصدقین والشہداء  
والصالحین روح اللہ روح اسلافہ وطول اللہ عمرہ ا خلافتہ،

حضرت مخدومی مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نے آپ کا مرثیہ لکھا اور تار یخ وفات کے سلسلہ میں ایک غزل اور قطعہ نظم کیا جو ان کے تیسرے دیوان میں مذکور ہے اور امیر علی شیر (شاگرد حضرت جامیؒ) نے بھی آپ کی وفات پر ایک قطعہ نظم کیا ہے جو درج ہے۔

خواجہ خواجگان حبید اللہ مرشد سالکان راہ یقین

شد بہ خلد بریں کہ در فوش سال تلذذ گشت خلد بریںؒ

مولانا محمد قاضی لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے مرض الوصال میں یہ وصیت فرمائی کہ میں نے سوچا تھا کہ ایک اور عمارت اس زمین پر بنوادوں جو ”مسجد نگاریں“ کے مقابل میں نے خریدی ہے اور اس میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اور مصنفات امام غزالی کے درس کے لئے ایک مدرسہ اور کھول دوں۔ اور پچاس ہزار اشرفی کی جائداد خرید کر ”بازار سوزن فروشاں“ کی مسجد کے لئے وقف کردوں تاکہ مدرسہ امام۔ خدام اور مؤذن کو کچھ اور زائد دیا جاسکے اور ان عمارت کی آئندہ مرمت و ترقی بھی اسی آمدنی سے کی جاسکے اس جائداد کی آمدنی جس طرح میری زندگی میں اس مدرسہ پر خرچ ہو رہی ہے میرے بعد بھی اس پر خرچ ہوئے۔

نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک روز مجھ کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ زندگی کے آخری ایام

ملک رشتات ۲۰۶ تاریخ حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۲۲۰ سے مقالات عالیہ ۱۸۵

میں میری یہ خواہش ہے کہ اپنے آباء و اجداد کے مزارات پر حاضر ہو کر فقرا کا پیٹ بھروں اور یہ زمانہ  
 تھا جب ترکستان میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور آپ اس سے دل شکستہ ہو کر ”شاش“ اُٹے تھے  
 فرمایا کہ یہ خدمت میں اپنے ذمہ لوں یا تم لوگے میں نے اس خدمت کو اپنے سر لے لیا ایک  
 ایک دن میں اتنی اتنی بکریاں حلال کی جاتی تھیں جن کا شمار مشکل تھا میں خود اپنے ہاتھ سے مزارات  
 پر موجود رہ کر فقرا کو تقسیم کرتا تھا گرد و نواح میں جتنا خبر بوزہ بویا گیا تھا وہ سب انھیں فقرا کو  
 بانٹ دیا گیا یہ رمضان کا مہینہ تھا مگر میری عیدم الفرستی کا حال یہ تھا کہ افطار کرنا بھی دشوار  
 ہو جاتا تھا ۷

## اولاد بزرگوار

حضرت خواجہ محمد عبداللہ نقشبندی

حضرت خواجہ کلاں معروف بہ خواجہ عبداللہ | یہ آپ کے بڑے صاحبزادہ تھے اور خواجہ کے خواجہ کے نام سے مشہور تھے۔ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ۔ علوم نقلی و عقلی میں درجہ کمال پر فائز۔ کتاب و سنت کے علوم میں دقیق النظر۔ حدید البصر اور نکتہ رس محقق تھے۔ کوئی دقیقہ ان کی نگاہ حقیقت میں سے پوشیدہ نہ تھا۔ باوجود علوم ظاہری میں متبحر ہونے کے والد محترم کی نسبت باطنی سے بھی فیضیاب تھے۔ بعض خدام ان کے تصرفات اور خرق عادات (کرامات) کے متعدد واقعات بیان کیا کرتے تھے خود والد محترم انکی بہت تعظیم و توقیر فرماتے اور اعزازی طریقہ پر سلوک فرماتے تھے۔ باپ اور بیٹے کے برتاؤ کی طرح پیش نہیں آتے تھے یعنی بیٹے کی عزت بہت زائد کرتے تھے۔ ایک نذر والد محترم خواجہ کفشیہ کے محلہ میں ملاؤں کے احاطہ کے اندر حجرہ میں رومال باندھے ہوئے نہایت اطمینان سے آزادانہ بیٹھے ہوئے تھے اور مخصوص حضرات خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک کسی نے آکر بجایا کہ ”خواجہ کلاں آرہے ہیں، وہ ان ایام میں دریں“ میں تھے۔ جہان کا خاص گاؤں تھا اور شہر سے ایک منزل پر تھا۔ ہر دوسرے تیسرے مہینہ ایک بار خدمت میں حاضر ہوتے۔ جیسے ہی آپ نے ان کی آمد کی خبر سنی تو پگڑی، موزے، ٹیکہ منگوایا اور رومال سر سے اتار کر پگڑی باندھی۔ موزے پہنے اور ٹیکہ باندھا پھر چند قدم ان کی پیشوائی کو بڑھے اور اپنے حجرہ میں لا کر لوگوں کے آگے بٹھایا۔ ان کیساتھ ایک جماعت علمائے سمرقند کی تھی۔ تھوڑی دیر تک سب خاموش رہے پھر حضرت اقدس نے خواجہ کلاں سے فرمایا کہ ”ہائیں کرو اور قوائد حاصل کرو“ انھوں نے انکساری برتی۔ حضرت اقدس نے یہ دیکھ کر تفسیر قاضی اٹھائی اور اسے کھول کر ایک آیت کے سلسلہ میں منگو کا آغاز کیا۔ خواجہ کلاں نے اس آیت میں تمام علمائے ظاہر و باطن کے اقوال اور تحقیقات بیان کیں ایسا کہ تمام موجودہ اکابر علماء ان کے علمی ثمر پر متحیر و دنگ رہ گئے۔ پھر کھانا لا گیا اور کھانے سے فراغت کے بعد جب خواجہ کلاں واپسی کیلئے اٹھے۔ تو حضرت اقدس (والد محترم) نے چند قدم

چل کر ان کو رخصت کیا۔ پھر آکر بیٹھ گئے موزے اتارے۔ اور بدستور رومال باندھ کر بیٹھ گئے۔  
مصنف "رشحات" مولانا علی صفی لکھتے ہیں کہ باریں آپ کی خدمت میں "ورسین" کے محلہ  
میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک تقریب سے آیہ کریمہ قلنا یا نار کوئی برداور سلاما علی ابراہیم کی تفسیر کا ذکر نکلا۔ آپ  
نے تمام علمائے ظاہر کے اقوال نہایت عمدہ طریقہ پر بیان کئے اور حکماء نے جو یہ تاویل کی ہے کہ نار  
سے مراد نمرود کی آتش غضب اور برد سے مراد شعلہ غضب کا فرو ہونا ہے۔ اس تاویل کے رو میں  
معقول اور حکمی دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نار عنصری نار تھی اور برودت اسکی ماہیت پر عارض ہوئی۔  
ایک ہدایتی فرمان جس میں والد بزرگوار نے آپ کو نصیحت فرمائی اور تلقین کی ہے یہ ہے  
"فرزند نور چشم۔ تم کو ایسی ہمت رکھنی چاہیے کہ جن باتوں کا جاننا تم پر فرض ہے اور جن کے بغیر  
قطعی ممکن ہی نہیں ہے۔ جیسے اعتقاد صحیح رکھنا اور علم کا احکام الہی کا جاننا۔ ان سب باتوں سے تم جلد اپنے  
کو فارغ کرو اور ظاہری و باطنی دائمی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل  
سے اپنے غیر کا اعتبار۔ تعظیم اور دید دور کر کے تم کو ہمہ تن انھیں تمام امور میں مشغول کر دے جو تم سے مقصود  
ہیں۔ خداوند۔ جن اصحاب کو تو نے محض اپنی عنایت سے اپنے غیر کے اعتبار۔ تعظیم اور دید سے نجات دی  
ہے ان اصحاب کے قرب کے طفیل میں حقیر اور ضعیف بندہ زادہ کو جس کے لئے تیری عنایت۔ رافت  
اور رحمت کے سوا کوئی امید کی جگہ نہیں ہے تمام گرفتاریوں سے رہائی عطا فرما۔ بمنہ و کرمہ سے  
غیر حق ہرزہ کان مقصود تست تیغ لابرکش کہ آں معبود تست  
آپ کے حالات کا بیان مختصراً یہ ہے کہ جب شاہ بیگ خاں کا تسلط اور ظہور ہو گیا تو  
آپ لوگوں کے آثار و اطوار سے زمانہ کی تباہی معلوم کر کے اپنے وطن سے حکم الفرائض ممالا یطاق من  
سنن المسلمین (جن تکالیف کی برداشت کی قوت نہ ہو ان سے بھاگنا رسولوں کی سنت ہے)  
اند جان کی طرف ہجرت فرما گئے لیکن اس جگہ کو بھی آپ کی طبیعت نے پسند نہ کیا لہذا جلد  
از جلد عالم فردوس کو جانے کیلئے آخری سفر کا سامان باندھ لیا۔ اور آپ کی نعش کو لوگوں نے اس  
ملک سے تاشقند لا کر آپ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیا لے



آپ کے شاگرد مولانا حسن مجرود ( جنہوں نے آپ سے صحیح بخاری وغیرہ بھی پڑھی ہے ) بیان کرتے تھے جب آپ کی روح مبارک نے جدائی اختیار کی اور ہم نے چہرہ اقدس کو ڈھانپ دیا تو آپ کے صاحبزادہ نے ہاتے بابا کہہ کر نعرہ فرمایا آپ میں حرکت پیدا ہوئی۔ ہم نے یہ دیکھ کر جیسے ہی چہرہ اقدس سے کپڑا ہٹایا تو آپ نے فرمایا ”مجھ کو نیند سے کس نے بیدار کیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اس کتاب (بخاری شریف) سے کوئی حدیث سناؤ میں نے جیسے ہی کتاب کھولی تو معراج کا واقعہ نظر پڑا۔ میں نے اس خیال سے قلبِ مبدک افسردہ و ملول نہ ہو کتاب کو بند کر کے دوبارہ کھولا۔ پھر وہی حدیث نکلی میں نے پھر کتاب بند کر دی۔ جب تیسری بار اسے کھولا تو بھی وہی حدیث برآمد ہوئی (مجبوراً) میں نے وہی حدیث پڑھنا شروع کی۔ چونکہ میں شدتِ رنج و غم سے بیقرار ہو رہا تھا لہذا اعصاب کو غلط پڑھ گیا۔ آپ نے میری جانب تیز نظروں سے دیکھ کر سر مبارک ہلایا اور رحمتِ حق سے واصل ہو گئے۔ اے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ اسی روز میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے جس میں تمام بزرگانِ دین موجود ہیں اور ایک بلند گنبد میں جس کی چھت اور دیواریں رنگ برنگے چینی کے ٹکڑوں سے مزین ہیں ایک جماعت سپاہیوں کی صورت میں ہاتھ میں تلواریں لئے بیٹھی ہے اور آخری صف سے ایک صف پہلے میں بیٹھا ہوں میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ جماعت کیسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ”آج قطب اس دنیا سے چلا گیا اس جماعت میں سے کسی ایک کو قطب کریں گے لیکن ابھی تک یہ طے نہ ہو سکا ہے کہ کس کو کریں گے۔ اے

۱۹۴۱ء مقاماتِ عالیہ ۱۹۴۱ء ۱۹۴۱ء مقاماتِ عالیہ ۱۹۴۱ء

## حضرت خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ تھے جو اپنے پدر بزرگوار کے جانشینی ہوتے۔ یہ اپنے والد بزرگوار کے بہت مقبول و محبوب تھے ایسا کہ انھوں نے اپنی آخری عمر میں ان کو اپنا قائم مقام کیا اور اپنے مزار کی تولیت سپرد فرمائی جب کہیں وہ پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ بہت زائد حقائق و معارف فرماتے اور ان سے مخاطب دراصل حضرت خواجہ ہی ہوتے تھے۔ حالانکہ حقائق و معارف کے بیان کے وقت اور اکابر علماء و فضلاء و عرفاء بھی موجود ہوتے تھے حضرت محمدی مولانا نور الدین عبدالرحمن جاتی خواجہ محمد یحییٰ کے بہت معتقد و معرف تھے۔ فرماتے تھے کہ خواجہ محمد یحییٰ کو طریقہ خواجگان سے کامل مناسبت ہے۔ خواجہ پر نسبت علمیہ غالب ہے اور خواجہ محمد یحییٰ پر نسبت جذبہ۔

مصنف رشحات لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد یحییٰ جب ہری تشریف لائے تو ایک روز حضرت حقائق پناہی کے ساتھ مولانا محمد رومی کی ملاقات کو گئے۔ صاحب خانہ (مولانا محمد رومی) نے اپنے عزیز مہمان کے ساتھ نہایت ادب کا برتاؤ کیا اور خاطر مدارات و تعظیم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن ہم نشینی کا تمام وقت طرفین کی خاموشی میں گذر گیا۔ میں دوسرے تنہا مولانا کی خدمت میں گیا تو ظاہر و باطن کی آراستگی کے متعلق انھوں نے حضرت خواجہ کی تعریف حد سے زیادہ فرمائی۔ جب خواجہ کی خدمت میں واپس آیا تو سنی ہوئی باتیں مختصر بیان کیں۔ خواجہ نے فرمایا۔ کل کے روز میں آپ کی صحبت میں اپنی فنا اور مولانا کے اثبات میں مشغول تھا۔ میری تعریف جو مولانا فرماتے ہیں یہ درحقیقت مولانا ہی کی تعریف ہے کیونکہ اس وقت مجھ میں مولانا ہی کی حقیقت جلوہ گر تھی ۲

۱۔ مولانا محمد رومی کا لقب شمس الدین اور کنیت ابوالمکارم تھی۔ ہرات کے پرگنوں میں سے کسی پرگنہ کے رہنے والے تھے استقامت و کرامت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ مولانا سعد الدین کا شغری سے بیعت تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پرہیزگار اور صالحہ تھیں اور ان کا رتبہ ریاضت و بلند ہمتی میں بہت بڑا تھا۔ فرماتی تھیں کہ میں امید سے تھی۔ ایک رات عالم مثال میں حضور سرور کائنات کی زبان مایطوق عن الہوی سے نوید پھر سنی۔ اسی کے بعد اسی محل سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس واقعہ کی بنیاد پر محمد نام رکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ آغاز زمانہ ہوش سے لے کر آخری وقت تک آپ کے سلوک میں کسی قسم کی لغزش نہیں آئی۔ آپ نے اپنی تمام عمر راست روی اور اتباع شریعت میں گذاری۔ صاحب کرامات و مقامات تھے۔ (ذکار ابراہیم ۱۹۱)

۲۔ رشحات ۱۸۰ - ۱۷۹

خراسان کے ایک شخص بیان کرتے تھے کہ حضرت کی وفات کے بعد میں خواجہ محمد یحییٰ کی خدمت میں بہت حاضری ہوا کرتا تھا ایک روز میں حاضر ہوا آپ مکان کے اندر تھے۔ میں باہر تک ایک دوکان پر انتظار میں بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں میرے دل میں آیا کہ حضرت اقدس تو کبھی کبھی استعداد والوں کے باطن میں تصرف فرماتے تھے۔ اور ان کو عالم بخودی پر پہنچا دیا کرتے تھے۔ کیا حضرت خواجہ میں بھی تصرف کی قوت ہے۔ یا نہیں۔ یا اب کوئی اس کا اہل ہی نہیں رہا ہے۔ انہیں خیالات میں تھا کہ آپ تشریف لاکر میرے پاس بیٹھ گئے۔ قدرے خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ "ارباب تصرف کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض اس کے مجاز و مختار ہیں کہ اللہ کی اجازت اور اپنے اختیار سے جس وقت چاہیں اور جس کے باطن میں چاہیں تصرف کر کے فنا و بخودی کے مقام پر پہنچا دیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو باوجود تصرف کی قوت ہونے کے امر غیبی کے بغیر تصرف نہیں کرتے۔ اور جب تک ان کو پہلے سے حکم نہ دیا جائے کسی پر توجہ نہیں کرتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر کبھی کبھی کوئی صفت اور حال ایسا غالب آجاتا ہے جس سے وہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور مریدین کے باطن میں تصرف کر کے اپنے حال سے ان کو متاثر کر دیتے ہیں۔ پس جو شخص نہ مختار ہو نہ مجاز۔ نہ مامور ہو نہ مغلوب اسے تصرف کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ اس فرمانے کے ساتھ ساتھ مجھ پر ایسی توجہ فرمائی کہ میں بے خود و بے شعور ہو گیا اور خود فراموش ہو گیا تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اسی دوکان پر ایک پہلو پر (الٹا) پڑا ہوں اور حضرت خواجہ آنکھیں بند کئے مراقب بیٹھے ہیں۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور یقین ہو گیا کہ حضرت خواجہ ضرور صاحب تصرف ہیں لے

حضرت خواجہ نہایت غیور اور تند خو تھے اور بے پناہ محبت کی وجہ سے حضرت اقدس پر غیرت عظیم رکھتے تھے۔ جب کبھی وہ حضرت اقدس (والد بزرگوار) کی خدمت میں تشریف لاتے تو حاضرین ان کے خوف و رعب کی وجہ سے اٹھ جاتے کیوں کہ ان میں بعض تو ایسے تھے جو حضرت خواجہ کے تھپڑ کھاتے ہوئے تھے اور خواجہ نے تین بار اصحاب کی غیرت کی وجہ سے حضرت اقدس کی ملازمت اور صحبت ترک کر کے مجاز کی طرف روانگی اختیار فرمائی۔ پہلی بار بخارا تک۔ دوبارہ ہرات تک اور تیسری بار یزد تک۔ لیکن جتنی بار بھی وہ سفر سے روانہ ہوئے

حضرت اقدس نے اپنی قوت جاذبہ اور توجہ باطنی سے ان کو راستہ سے ہی واپس کر لیا ایک روز قرش میں بعد نماز ظہر حضرت اقدس کے ساتھ خلوت میں تشریف لے گئے اور باطنی حالات عرض کرنا شروع کئے۔ حضرت اقدس حالات سنتے جاتے تھے اور توجہ و عنایت فرماتے جاتے تھے صحبت نہایت گرم تھی اور تمام اصحاب خلوت کے باہر تھے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا مؤذن چونکہ اس خلوت و صحبت سے لاعلم تھا اس نے اول وقت ہی اذان دے دی حضرت اقدس اذان کی آواز سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت سی باتیں اور صوری و نا تمام رہ گئیں خواجہ کو یہ دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید خلوت کے باہر موجود لوگوں کو ان باتوں اور اس خلوت و صحبت سے رشک ہوا ہے اسی لئے انہوں نے قصد مؤذن سے جلد اذان دینے کو کہا ہے تاکہ یہ صحبت درم برم ہو جائے چنانچہ نہایت غصہ سے باہر آئے اور لوگوں سے فرمایا کہ لو ہم جاتے ہیں اور حضرت کو تمہارے لئے چھوڑے جاتے ہیں اب تم بغیر میری مزامنت کے خوب اچھی طرح صحبت کے فوائد حاصل کر لو اور بغیر کسی تاخیر کے اور حضرت سے رخصت ہوئے اسی وقت خراسان روانہ ہو گئے خدام اور متعلقین کو جب اس کا علم ہوا تو اونٹوں پر اسباب سفر لاد کر فوراً آپ کے پیچھے روانہ ہو گئے اور آبِ امویہ کے کنارہ آپ کو جا لیا جس وقت شام کو خواجہ روانہ ہوئے تو لوگوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا سب نے اس قصہ کو حضرت اقدس سے بیان کیا آپ ان کے جائے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت ایک قاصد خراسان کی جانب حضرت مخدومی مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی کے پاس یہ کہہ کر روانہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے ان کو واپس کر دیں چنانچہ جب خواجہ ہرات پہنچ کر مولانا سعد الدین کا شغریٰ کے مزار پر حاضر ہوئے اور خواجہ ابوالبرک کے مکان پر نزول فرمایا تو حضرت مخدومی نے موقع و محل دیکھ کر نہایت لطیف پیرایہ اور سود بانہ انداز میں ان سے واپسی کے لئے اصرار کیا آپ نے نہایت ادب سے فرمایا، مخدوم من، میرا ارادہ اس سفر کے لئے ایسا مہم (پختہ) ہو چکا ہے کہ اب میں اس کی تبدیلی پر قادر نہیں ہوں (یعنی اگر میں چاہوں تو بھی اپنے اس ارادہ میں تبدیلی نہیں لاسکتا) مولانا جامی یہ سن کر خاموش ہو گئے پھر ان سے کچھ نہ کہا اور قاصد مایوس واپس چلا گیا اور آپ ایک ہفتہ تک وہاں رہے پھر یزد روانہ ہو گئے، جب یزد پہنچے تو جتنی بار بھی وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتے

نہایت تیز بخار میں مبتلا ہو جاتے اور جب اپنے ارادہ کو فسخ کر دیتے تو اسی وقت بخارجاتا رہتا  
آخر کار یہ سمجھ میں آیا کہ میرے اس سفر کی حضرت کی اجازت نہیں ہے انھیں ایام میں ایک روز  
اسی قسم کا خواب دیکھا جیسے ہی بیدار ہوئے مضطرب و بیقرار ہو کر بے اختیار بستر سے  
اٹھے اور (اصطبل) طویلہ میں جا کر اپنے خاص گھوڑے پر اسی طرح (درہنہ) بغیر کاٹھی  
چڑھائے ہوئے سوار ہو گئے۔ ملازمین و خدام یہ دیکھ کر آپ کے پیچھے دوڑے آپ نے  
مڑ کر ان سے فرمایا کہ ”موزے اور زین وغیرہ لیکر میرے پیچھے آؤ حضرت نے مجھے طلب فرمایا ہے  
میں رک نہیں سکتا یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نہایت تیزی کے ساتھ خراسان کی جانب روانہ  
ہو گئے اور پیچھے پیچھے تمام ملازمین و متعلقین بھی بہ عجلت تمام سامان لاد کر دوسری منزل پر خواجہ  
کے پاس پہنچ گئے ہرات میں بھی توقف نہ کیا بحرِ سطور بھی آپ کی رفاقت میں سمرقند کی جانب  
روانہ ہوا اور یہ سفر اہل ریح الاخر ۱۲۹۳ھ میں ہوا بادِ جود اس کے کہ فقیر کے پاس جو سواری  
تھی وہ نہایت تیز رفتار تھی لیکن ”حل دختران“ تک بھی میں ان کا ساتھ نہ دے سکا کیوں کہ خواجہ  
اپنی سواری کو نہایت تیز بھگا رہے تھے اور جتنی سوایاں تھیں وہ سب پیچھے رہ گئی تھیں مجھے  
کئی بار یہ خیال آیا کہ خواجہ سے عرض کروں کہ جب حجاز کا عزم مہم ہو چکا تھا تو پھر اب اس قدر  
جلد واپسی کا کیا سبب ہے لیکن ادباً اس خیال سے خاموش رہا کہ ہو سکتا ہے آپ خود اظہار  
فرمائیں ”حل دختران“ پیچھے پر مجھ سے فرمایا کہ میں تو بہت تیز چلتا ہوں تم میرے ساتھ چلنے میں  
پریشان ہو جاؤ گے بہتر یہ ہے کہ جو لوگ پیچھے آرہے ہیں ان کے ساتھ اطمینان سے آؤ سمرقند  
میں مجھ سے مل جانا اور شاید تم کو یہ خیال ہو کہ میں حجاز جانے کا مہم عزم کر چکا تھا اب اس قدر  
جلد واپسی کا کیا سبب ہے تو سنو بات یہ ہے کہ جس رات میں نے حجاز جانے کا پختہ ارادہ کیا تو  
خواب دیکھا کہ حضرت اقدس تشریف لائے اور میرے جوتوں کو سمرقند کی جانب گھرایا بیدار  
ہونے پر نہایت بے چین و مضطرب ہوا اور آپ کی جانب سے باطن میں ایسا والہانہ اشتیاق او  
کشتش پیدا ہوئی جس نے مجھے بالکل بے طاقت اور بے آرام کر دیا اور مجھ سے ایک لمحہ بھی  
ٹھہرانہ جاسکا اسی وقت رات ہی میں اٹھا اور طویلہ میں جا کر گھوڑا لیا اور نیکی بیٹھ پر سوار  
ہو کر بھگاتا ہوا یہاں تک آگیا

در اصل یہ ساری توجہ حضرت اقدس کی ہے جو جذب اور کشش کی صورت میں کمند کی طرح میری گردن اور جان میں ڈال کر کشاں کشاں اپنی جانب دوڑا رہی ہے۔ اور مجھے یہ یقین ہے کہ جب تک آپ کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں گا یہ بیقراری اور اضطراب نہ جائے گا۔ یہ فرمایا اور گھوڑے کو چابک مار کر ہوا ہو گئے یہ فقیر آپ کے خدام اور شتر بانوں کے ساتھ ایک ماہ بعد جب آپ کی خدمت میں سمرقند پہنچا تو مجھ سے فرمایا کہ یزد سے واپسی کے بعد پھر مجھے حجاز کے سفر کا شدت سے داعیہ پیدا ہوا چنانچہ میں نے مولانا سید حسن سے کہا کہ وہ میرے لئے حضرت سے اجازت حاصل کریں مولانا نے موقعہ دیکھ کر عرض کیا۔ آپ نے ان سے استفسار فرمایا کہ آخر ان کو اس سفر پر اتنی شدت کیوں ہے اور ان کی غرض اس سفر سے کیا ہے۔ مولانا نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ سب سے بڑا سبب میرے اس سفر کا یہ حدیث ہے کہ **مَنْ نَهَانِي مَيْتًا فَكَانَ نَهَانِي حَيًّا** (جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا میری زندگی میں میری زیارت کی) حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا تین روز اور توقف کرو ہم دیکھتے ہیں اس میں کیا مصلحت ہے۔ تیسری شب میں نے خواب دیکھا کہ حضور سرور کائنات تشریف لائے۔ میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضور نے فرمایا اپنے والد کو بلا لاؤ۔ ہم ان سے ملاقات کریں گے۔ میں نے دوڑ کر آپ کو بتایا آپ فوراً تشریف لے آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے داہنی جنا بٹھایا اور میں سامنے سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سراٹھایا تو دیکھا کہ حضور کے دو جسم مبارک ہیں اور حضرت اقدس دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ ہر چند میں نے غور کیا لیکن

۱۸۱

رشتات ۱۸۲۔ ۱۸۱

مولانا سید حسن خواجہ احرار الاولیاء کے جلیل القدر خلیفہ متبع عالم اور نہایت نیک میرت تھے۔ ایک روز آپ کے والد بزرگوار زمانہ طفولیت میں آپ کو احرار الاولیاء کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اس وقت آپ کی مجلس میں یک پیالہ شہد کار کھا ہوا تھا۔ آپ کو بے تقاضا سے سن طفولیت شہد کی خواہش ہوئی اور شہد کو دیکھنے لگے۔ اسی درمیان حضرت خواجہ نے آپ سے نام دریافت فرمایا۔ آپ نے فرمایا شہد۔ احرار لادیا اس جواب سے بہت منظور ہوئے اور تبسم فرما کر کہا کہ چھوٹے سے عنصر میں کامل استعداد اور صحیح قبولیت عطا کی گئی ہے صرف آی سی بات پر کہ اس کے ذہن نے شہد کا مزہ چکھ لیا ہے۔ ایسا شہد کے خیال میں کھو گیا ہے کہ اپنا نام ہی بھول گیا ہے بلکہ اسے شہد میں گم کر کے کوئی نام ہی زبان پر نہیں لاتا۔ اگر اس کی جان میں شہد زیادہ شیرینی کی چاشنی پہنچا دی جائے تو ضرور اس کی توجہ اور استغراق کیفیت اس میں زائد ہوگی۔ یہ فرما کر اسی وقت آپ کو والد بزرگوار سے لیکر اپنی تربیت میں لایا اور ظاہری و باطنی علوم تعلیم فرمائے (اذکار ابرار۔ ۱۸۱)

آنحضرتؐ اور حضرت اقدسؑ میں کسی طرح امتیاز نہ ہوا۔ اور یہ معلوم ہو سکا کہ آنحضرتؐ کون ہیں اور حضرت اقدسؑ کون۔ اسی حیرت و دہشت میں جاگ پڑا دیکھا تو جمع کا وقت تھا۔ میں فوراً وضو کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپؐ تہجد کی نماز پڑھ کر مراقب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آہستہ سے جا کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے (میری آہٹ پر) سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ خواجہ تمہارا مطلب حاصل ہو گیا اور مراد پوری ہو گئی۔ اب ہم کو پریشان نہ کرو۔ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور دیدار غنیمت ہے۔ میں نے آپؐ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دوبارہ اس قسم کی خواہش میرے دل میں نہ ابھری لے

نیز خواجہ بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدسؑ نے مجھ کو رابطہ کا ایک طریقہ تعلیم فرمایا تھا۔ ایک بار اس شغل کی ابتدا میں آپؐ خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اصحاب کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ حضرت اقدسؑ کے چہرہ مبارک کی جانب توجہ کرنا چاہیے یا آپؐ کی آنکھوں کی جانب۔ جب میں نے آپؐ کی جانب نظر کی تو آپؐ نے انگشت شہادت کو اپنی دونوں ابروؤں کے درمیان رکھا۔ میں یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپؐ کی دونوں ابروؤں کے درمیان نظر رکھنا چاہیے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اور تخلیہ ہو گیا تو آپؐ نے اس کی وضاحت فرمائی لے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار مجھ کو سخت انقباض لاحق ہوا۔ جب زائد پریشان ہوا تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت افسران کی ایک جماعت اپنے حسابات پیش کر رہی تھی جب ان کی گفتگو نے طول پکڑا تو میں نہایت ملول اور دل گرفتہ ہوا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کسی درخت پر بہت سی چڑیاں بیٹھی ہوں اور کہ فی شخص ٹھیک ٹھیک انکو ڈرے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جتنے خواطر میرے باطن میں ہجوم کئے ہوئے تھے اور میں ان سے سخت پریشان تھا۔ یکلخت محو ہو گئے اور سکون ہو گیا اسی حالت میں میں نے حضرت کی جانب نظر کی تو دیکھا کہ آپؐ مجھے بڑی تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر بہت آہستہ سے فرمایا ایسا کہ میں نے سن لیا کہ ”یہ ہے اور وہ ہے اور یہ بھی ہے“ پھر افسران سے فرمایا کہ جاؤ مجھے ان سے کچھ کام ہے (باتیں کرنا ہیں) جب سب چلے گئے

لے، صفحات ۱۸۲-۱۸۱ لے ایضاً ۱۸۲



تو مجھ سے غصہ سے فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی پریشانی یا انقباض ہو تو محض اس کے لئے اپنا سارا کاروبار نہیں چھوڑا جاسکتا اس قسم کی باتیں دل میں نہ لانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا موقعہ پڑ جائے جہاں باپ بیٹے کی بھی گنجائش نہ ہو کوشش اسکی کرنا چاہئے کہ اس قسم کی باتوں سے تنگدل نہ ہونا چاہئے اور پریشان ہونا چاہئے نہ

احرار الاولیاء اکثر خلوتوں میں آپ سے حضرت امیر المومنین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہاری روح کو شہید دشت کربلا کی ولایت اور شہادت کے ساتھ کالی نسبت ہے کہتے ہیں کہ آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے چند ہی روز بعد شاہ بیگ خاں نے پرگنہ رسم قند ضبط کیا اور محرم ۹۰۶ھ کے پہلے عشرہ میں جمعہ کے روز حضرت خواجہ محمد یحییٰ سے مواخذہ و مطالبہ کر کے جو کچھ نقد و جنس مکانات میں تھا سب سرکار میں داخل کر لیا اور تمام دیہات، اراضی، اور فارم وغیرہ سب سرکاری ملازمین کے سپرد کر دیئے خواجہ کو انتظار تھا کہ شاید عاشورہ کے روز شہادت کا واقعہ بھی پیش آجائے لیکن ایسا نہ ہوا اسی دوران شاہ بیگ خاں نے یہ حکم نافذ کیا کہ آپ سے فرزندوں مریدوں اور متعلقین کے خراسان چلے جائیں چنانچہ آپ کریمینہ کے راستہ سے خراسان روانہ ہوئے جب تاشقند سے نکل گئے اور محرم کی دسویں تاریخ بھی نکل گئی تو خواجہ کو حیرت ہوئی اور حیرت سے انقباض پیدا ہوا کہ حضرت والد ماجد کا فرمان تو یحییٰ کی شہادت کا ٹکڑا تھا اور یہاں تاخیر نظر آرہی ہے خدا معلوم اس میں کیا حکمت اور کیا مصلحت ہے اسی خیال میں تاشقند سے دو تین منزل آگے گئے تھے کہ اچانک صحرائیں اور بک کی لیک فوج نے حملہ کر کے ظلم و زیادتی شروع کر دی چاروں طرف سے تلواروں اور تیروں کی بارش ہونے لگی بالآخر فوج مذکور نے خواجہ محمد یحییٰ کو مع ان کے دونوں صاحبزادوں خواجہ محمد زکریا اور خواجہ عبد الباقی کو اسی صحرائیں مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا تینوں نبی اور حبیبی بزرگوں کی نعشیں خواجہ کفشیہ کے محلہ میں لاکر ملایوں کے احاطہ میں خواجہ احرار الاولیاء کے جوار میں دفن کی گئیں اور مزار بنا دیئے گئے ۷

# اقوال

صوفیاء اور خاصانِ خدا کے اقوال و ملفوظات۔ ارشادات و تعلیمات دراصل حکیمِ اکبر اور ارشادِ رسولِ اللہؐ کی صدائے بازگشت ہیں جو نعمۂ است کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اس میثاقِ ازل کی یاد دلاتے ہیں جن کا صبحِ ازل اُسْتُ بَرکُم کے جواب میں ارواح نے قالوا بلیٰ سے اقرار کیا تھا۔ یہ اقوال وہی تجدیدِ عہد ہیں جو منصبِ ولایت پر فائز ہونے اور میراثِ ولایت حاصل کرنے کے بعد ہزارِ بندگانِ خدا کو معرفت کا آبِ زلال مہیا کرتے ہیں۔ اور ہر شخص بقدر ظرف و مراتب اس مئےِ ناب سے مست و سرشار ہو کر حق و حقانیت کے مراتبِ اعلیٰ پایتا ہے۔ یہ اقوال اس کے جامد ہستی کو وہ لمبوسِ زیبا عطا کرتے ہیں جس سے انسانی ذات کے جوہر نکھرتے اور سنورتے ہیں۔ ان زریں اقوال پر جو تفسیرِ قرآن اور شرحِ منشاءِ رسولؐ ہیں عمل پیرا ہو کر وہ اپنے چمنِ ہستی کو شاداب و تازہ۔ اپنی حیاتِ افسردہ و مردہ کو زندہ و پائیدہ بنا کر فنا کے دامن پر بقا کے گل بوٹے بتاتے اور نقشہائے رنگیں ریح دیتے ہیں۔ یہ اخلاقِ حسنہ سے مزین ہستیاں رونی۔ ملکیتی اور دکھوں سے ماری انسانیت کے لئے سامانِ مرہم اور اس کے زخمی دلوں کے لئے سامانِ صدالتیام مہیا کرتی ہیں۔ وہ نورِ شمعِ آسا عشقِ اکبر کی آگ میں جلتے تپتے اور سلگتے ہیں لیکن اپنی ذات کی روشنی سے صد ہا قندیلیں روشن کرتے ہیں

فَاتَحْ بَابَ وَلايَتِ كَے اقوال آج بھی رہ نور دانِ راہِ طلب کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ان کو خلعتِ ولایت عطا ہوا اور وہ ذاتِ نبیؐ کا نقشِ ثانی بن گئے۔ ان کی حیاتِ اقدس نے گرم و سرد زمانہ۔ مسرت و غم کے ہر پہلو کو دیدہٴ عبرت آشنا سے دیکھا۔ زمانہ کے بدلتے ہوئے تیور کو پہچانا۔ تلخ تجربات نے حقائق کی بصیرت عطا کی۔ ارادوں کی شکست سے اپنے رب کو پہچانا۔ عزائم کے ٹوٹنے سے شکستگیِ قلب کی دولتِ بیدار دمِ نقد ہوئی

عَرَفْتُ كَرَامَتَ الْغَسَّاجِ الْغَنَائِيہِ کہاں درخیر کا اکھاڑ پھینکنا اور لافنیِ الاعلیٰ کے خطاب سے نوازا جانا۔ کہاں مبالغہ میں شرکت و معیتِ رسولؐ۔ سورۃ توبہ کے پڑھنے کے لئے منجانب اللہ منتخب ہونا۔ نفسِ رسولؐ کی بشارت اور پھر اس کے بعد وہ زمانہ ناسازگار۔ ملامت ہائے گوناگوں۔ ناکردہ خطاؤں کے الزام۔ بگانیوں کے تیر سینے پر کھانا۔ سب و شتم کی مسلسل بوچھار۔ راہ کے کانٹوں کا دامن سے الجھنا۔ ان سب تجرباتِ حیات

نے دانش و فکر کے دریچے کھول دیے۔

نبخ ابداع کے بیشتر اقوال قال نہیں سراسر حال ہیں جن کو پڑھ کر ہر انسان اپنی تعمیر کردار کر کے معاشرہ میں معتبر بن سکتا ہے۔ اسی طرح حسن بھرتی کے مواظب حسنہ جو دل سے نکلتے ہیں اور دلوں میں تراؤ ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کے ایک قول اور ایک جملہ نے زندگیوں کی کایا پلٹ دی۔ خطا کا با صفا ہو گئے گنہ گار صاحب خدمت بن گئے۔ واعظان شیریں مقال کی خراب و منبری پر ان ترانیاں اس طرح اثر انداز نہیں ہو سکتیں جس طرح ان صاحب دل ارباب ولایت کے کھنکے ہوئے جملوں اور غنچہ کی طرح چٹکتے ہوئے فقروں نے معرفت کے مخفی رموز دلوں پر افشا کر دیئے۔ ان کی گفتگو نے آن واحد میں رنگ خودی اور سیاہی قلب کو مبدل بہ نور و نورانیت کر دیا۔ اور جب دلوں کی دنیا بدلی۔ خستگان راہ غفلت ان کے دلنشین اقوال سے بیدار ہوئے تو دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان کے ایک فقرہ پر غور و تفکر کرنے سے جلوہ حق بصدنازاں کے کاشانہ دل میں مسند نشین ہو گیا۔

اقوال اور طور اقوال پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہ کچھ اقوال تعلیمات اور ارشادات کے سلسلہ میں زبانہائے معجزت سے ادا ہوتے ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالبین کو راہ حق کی کٹھن۔ صبر آزما اور دشوار گزار گھاٹیوں سے کس طرح مقصود اصلی تک پہنچایا جاسکے۔ یہ اقوال بیشتر بلکہ تمام ترقران و حدیث کی روح کی عکاسی کرتے ہیں اور یہ اقوال ایک ولی کے مرتبہ ولایت کا لازمی اور ناگزیر جزو دوسری قسم اقوال و ارشادات کی وہ ہے جو توجہ باطنی کا مظہر ہوتی ہے۔ یہ ایک خاص وقت اور خاص لمحہ میں سالک کی آمادہ طبیعت کو دیکھ کر کہے جاتے ہیں تاکہ اس مثل کے مصداق کہوے کہ اس وقت پیٹنا چاہیے جب وہ سرخ انگارہ ہو رہا ہو، اسے اپنی مرضی کے مطابق بنایا اور سجایا جاسکے۔ یہ وقت ہوتا ہے جب دل الہم آشنا نہیں ہوتے لیکن ان کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر بنائے خون جگر ڈالی جاتی ہے۔ صد ہا بزرگان دین کے متعلق دیکھا گیا ہے کہ بہ ظاہر معمولی جملوں نے دلوں کی دنیا بدل دی اور وہ کر دکھایا جو بظاہر ارشاد و تلقین کی مسلسل اور طویل کوششوں سے بھی ممکن نہ ہو سکا۔

تیسری قسم اقوال کی وہ ہے۔ جہاں سالک اپنے الہام روحانی سے بشارات اور آنے والے واقعات کی طرف اشارے کرتا ہے اور یہ اقوال بطور آگاہی اور بطور تنبیہ کے ہوتے ہیں کہ رہو راہ سلوک پیچیدہ اور خطرات سے پُر منزلوں سے وساوس شیطانی سے بچ کر لقائے حق سے شاد کام

اور خوش وقت ہو سکے۔

تصوف اور علم باطن کے متعلق آپ کے سدا واقعات اور بیش قیمت و انمول ارشادات موجود ہیں جو ان تینوں اقسام سے تعلق رکھتے اور ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند مقولے انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ فراستِ مومن کی کیا معراج ہے۔ اور ان صوفیائے کرام نے تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس کے فرائض کس مہتمم باشان اور عظیم انداز میں ادا کئے ہیں یہ کرامتِ تاثیر و تاثر ایک ایسی نعمتِ الہی اور موہبتِ عظمیٰ ہے جو خواص کے حصہ میں آئی ہے۔ بقول شاعرؒ

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است نہ باہر کس محبت ساز گار است

بروید لالہ باداغِ جگر تاب دل نعل بدخشاں بے شرار است

**آپ کے اقوال** آپ نے فرمایا کہ بعض کتابوں میں عبادت اور عبودیت کے درمیان فرق لکھا ہے یعنی وظائفِ بندگی کا شریعت کے مطابق ادا کرنا ”عبادت“ ہے اور حضورِ قلب میں تعظیم کا خاص خیال رکھنا ”عبودیت“ ہے لے

آپ نے فرمایا کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد عبودیت نامہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمام احوال میں خشوع و خضوع کی صفت سے آگاہ رہنا ہے (یعنی تمام حالات و کیفیات میں کیفِ حسی پیدا کرنا ہے) لے

آپ نے فرمایا دو درویش حضرت شیخ ابوبکر واسطی کی ملاقات کو چلے۔ جب شہر کے دروازہ پر پہنچے تو بلیوں کو دیکھا ایک دوسری سے کہہ رہی تھی ”افسوس شیخ ابوبکر واسطی نے وفات پائی۔ دو ٹوک درویش جو در حقیقت خود صاحبِ حال و مقام تھے یہ سن کر نہایت ملول اور افسردہ ہوئے اور کہنے لگے۔ افسوس ہماری قسمت میں ان کی زیارت نہ تھی۔ خیر چلو۔ ان کے آستانہ اور خانقاہ شریف کی ہی زیارت کر لیں جب آپ کے آستانہ شریف پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ آپ بصحت و عافیت زندہ اور تشریف فرما ہیں نہایت مسرور ہوئے اور سابقہ صورت حال نیز بلیوں کی گفتگو بیان کی۔ سنتے ہی آپ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ فرمایا ”اللہ سے حضوری اور آگاہی کی نسبت مفقود اور

۵ مقاماتِ عالیہ ۵ لے ایضاً ۵





ان کی نسبت خرقہ سے نابلد ہو وہ اقتدار کے لائق نہیں ہے سہ

اعزہ میں ایک شخص بیمار تھا اس کی بیماری سے آپ کو بہت دکھ ہوا فرمایا نیک لوگ بہت غنیمت ہیں۔ انسان تجبہ و دستار سے انسان نہیں ہوتا ہے

گر بہ صورت آدمی انسان بدے احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

جو شخص اپنے اعزہ پر رنجیدہ نہ ہو وہ کتا ہے سہ

آپ نے فرمایا۔ اکابر طریقت کی یہ وصیت ہے کہ مرید کو اجنبی کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے اور مشائخ کو چاہیے کہ اپنے مریدین کو غیر لوگوں کی صحبت سے منع کریں کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا یکسوئی میں تفریق پیدا کرتا ہے سہ

آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب فرماتے تھے بعض اکابر نے کہا ہے ذِکْرُ اللِّسَانِ یَذِیْنُ و ذِکْرُ الْقُلُوبِ دَسُوسَةٌ (ذکر رہانی ہدیان ہے اور ذکر قلبی وسوسہ) پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جس وقت حضرت حق کے ساتھ آگا ہی اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ دل کو طمانیت حاصل ہو گئی تو یقیناً وہ ہدیان اور وسوسہ ہوگا سہ

چوں شدی برامہائے آسمان زشت باشند جست و جوئے نروباں

عبادات و اذکار کا اصل مقصد حضور مع اللہ ہے گے

آپ نے فرمایا کہ خشتوع سے مطلب تذلل اور رقتِ دل ہے اور خضوع سے مطلب انکسار و فروتنی جوارح ہے۔ مرید کے منجملہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا جسم خاضع اور دل خاشع ہو جیسا کہ ماثورہ دعاؤں میں ہے کہ اللھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ تَلَبٍّ لَا یُخْشَعُ سہ

آپ نے فرمایا۔ ایک شخص کے تشو کوٹے لگاتے گئے۔ ننانوے کوڑوں تک تو اس نے ان کی لیکن آخری کوڑا پڑتے ہی بلبلا اٹھا اور چیخنے چلانے لگا۔ اس سے کہا گیا تو ننانوے کوڑوں تک تو بالکل خاموش رہا اور اُن نے نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوڑے تجہ پر اثر ہی نہیں کر رہے ہیں اور آخری کوڑے پر تو اس قدر واویلا مچا رہا ہے۔ کہنے لگا کہ ننانوے کوڑوں تک میرا حال یہ تھا کہ مجھے مشاہدہ محبوب حاصل تھا اس میں محویت کی وجہ سے ان کوڑوں نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا اور آخری کوڑے کے وقت میں اس کے

نہ مقامات عالیہ، ۱۵ ایضاً ۱۶ ایضاً ۱۷ ایضاً ۱۸ ایضاً ۱۹ ایضاً ۲۰ ایضاً ۲۱ ایضاً ۲۲ ایضاً ۲۳ ایضاً ۲۴ ایضاً ۲۵



مشاہدہ سے غیر حاضر رہا جس کے نتیجہ میں میرے جسم پر ظاہری طور پر اس کا اثر ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مشاہدہ محبوب میں کسی قسم کا رنج و الم مطلق محسوس نہیں ہوتا۔ اور اسکی بے پناہ لذت رنج و الم کو کوڑھانپ لیتی ہے۔

آپ نے فرمایا: خلوت میں بیٹھ جانا۔ آسمان پر اڑنا۔ اور پہاڑوں و غاروں میں بیٹھ رہنا درویشی نہیں ہے درویشی یہ ہے کہ اپنے دل کو ماسوا سے خالی دیکھ سکرے۔

آپ نے فرمایا: ہمت سے مطلب ہے غلبہ اور کسی ایک چیز پر یکسوئی۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جس کو کوئی اہم کام درمیش ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی پریشانی اور ہم کے مناسب اسما کی طرف پورے طور سے متوجہ ہو۔ مثلاً اگر خود بیمار ہو یا کوئی دوسرا تو اپنی پوری ہمت اسم یا شافی کی جانب مصروف کرے اور اگر مانی حیثیت سے پریشان ہو تو اپنی ہمت کو اسم یا غنی کی جانب مصروف کرے کیونکہ اسما کی طرف پورے طور پر متوجہ ہونا باعث فلاح و نجات ہے۔ چونکہ ہمت کی تاثیر عظیم اور اس کے آثار کا مرتب متحقق و یقینی ہے لہذا اگر کوئی شخص عقل و ایمان کے مطابق حصول درجات (اخروی) اور سعادت سرمدی کی جانب ہمت مصروف کرے گا تو ہدایت پائیگا اور اگر اسے (ہمت کو) دنیا کی طرف متوجہ کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا: اکابر نے یہ بات مقرر کر دی ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی و معارضہ ممکن نہیں اسی طرح ہمت کے ساتھ بھی معارضہ ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص معارضہ کرے تو وہ یقیناً مغلوب ہوگا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام بحر توحید میں غرق رہنے کے باوجود اپنی ہمت کو دشمنوں کا قلع قمع کرنے کے لئے مصروف رکھتے تھے اور عز و ذات و عیزہ میں سعی بلیغ کرتے تھے۔ خواہ کو رفیع موانع و دفع اعدائے دین کیلئے صرف کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اصحاب تجرید کو چاہیے کہ کبھی کبھی ہمت کا امتحان کرتے رہیں کہ ان کو۔۔۔۔۔ کس مرتبہ سے مناسبت ہے اور ان کی ہمت کی تاثیر کیسی ہے۔ حضرت شیخ عی الدین ابن عربی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کمال ہمت سے آگ کی تاثیر کو ختم کر دیا۔ چونکہ ان کی ہمت آگ کے اثر کو دفع کرنے میں مصروف تھی لہذا ان کے کمال ہمت میں قول قلنا یا ناس کوئی جوداً و سلاماً علی ابراہیم مرتب ہو گیا۔

مقامات عالیہ ۱۹ ص ۱۹ سے اس کی علمی و عقلی مکمل تشریح و تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمائی ہے تفسیر ترجمہ قول بلی سے معلوم ہو سکتی ہے

۲۴ ص ۲۴ ایضاً ۲۵

آپ نے فرمایا کہ جب کوئی دوست یا عزیز بیمار ہو تو (جیسے ظاہری دوا علاج کے) ہمت سے اس کی مدد کرنا بہت اچھا ہے اور مدد و طرح پر کی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنی ہمت بدورے طور پر مصروف ہوتا کہ مرض زائل ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مرض کی حالت میں تفرقہ بہت پیدا ہوتا ہے اور آسانی کے ساتھ دل مطمئن نہیں ہوتا (چاہیے) کہ ہمت سے مدد کرے تاکہ خطرات متفرقہ (خیالات پریشان) دور ہوں اور جو کچھ مقصد اصلی ہے۔ وہی نصب العین ہو جائے لے

آپ نے فرمایا کہ اکابر طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ علم و دانش سب سے بڑا حجاب ہے (یعنی العلم حجاب الکبر اور اس سے گزرنا سخت دشوار اور مشکل ہے لے

آپ نے فرمایا کہ بعض اکابر طریقت نے ذکر و توجہ کے وقت جبیں دم کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ بات کسی نے حضرت شیخ بہاء الدین عمر کی خدمت میں بیان کر دی انھوں نے فرمایا کہ جبیں نفس بند و جوگیوں کا طریقہ ہے اور جو اس راہ کے لئے ضروری شرط ہے وہ حصر نفس ہے نہ کہ جبیں نفس۔ جب حضرت خواجہ یوسف بن حضرت خواجہ حسن عطار کو یہ معلوم ہوا کہ شیخ بہاء الدین عمرؒ نے اس بات کی نفی کی ہے تو ان کو لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے جبیں نفس کے طریقہ کی نفی کی ہے اور مشائخ میں سے کسی نے اس کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ یہ چیز متحقق و مقرر ہے کہ حضرت خواجہ بہاء الدین اور ان کے خلفاء نے اسی جبیں نفس کا حکم دیا ہے شیخ بہاء الدین نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد اس بات سے ان کے طریقہ کی نفی نہ تھی اور اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا بلکہ مبہم دیا ہے

آپ نے فرمایا۔ اکابرین میں سے ایک نے لکھا ہے کہ میں نے حسین بن منصور کی چار سو تصانیف مطالعہ کیں۔ ان میں ایک چیز بھی ایسی نہ پائی جو ان کے عدم استقامت پر دلالت کرتی ہو اور اہل اللہ کے عقیدہ کے خلاف ہو لے

آپ نے فرمایا۔ سید قاسم فرماتے تھے کہ دو گروہ بہت محروم اور حقیقت سے دور ہیں۔ ایک تو وہ علماء جنھوں نے اپنی معلومات کو محدود کر رکھا ہے یعنی جو کچھ وہ جانتے ہیں بس وہی سب کچھ ہے۔ دوسرے وہ سادات جو نسبت صوری پر قانع اور مغرور ہیں اور نسبت معنوی و کمالات سے محروم ہیں اور یہ دونوں چیزیں ان کے لئے حجاب ہیں لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اپنے مہمان بھائیوں کے ساتھ کھانا کھانا نفل روزہ سے بہتر ہے لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شریعت و طریقت و حقیقت ایک ہی چیز ہے اور اس کی اس طرح مثال دی کہ جھوٹ بولنا غیر شرعی بات ہے۔ زبان کی جھوٹ سے حفاظت کرنا شریعت ہے اور جھوٹ کے خیال

۱۔ مقامات عالیہ ۲۸ ص ۱۵۲ ایضاً ۲۹ ص ۱۵۲ ایضاً ۳۰ ص ۱۵۲ ایضاً ۳۱ ص ۱۵۲ ایضاً ۳۲ ص ۱۵۲

کو دل سے دور کرنا طریقت ہے۔ اور اس طرح ہو جانا (اپنے کو ایسا بنالینا) کہ کوئی جھوٹی بات بھی دل میں نہ آئے

حقیقت ہے اور شریعت و طریقت و حقیقت سے مقصد اسی کا پیر جھول ہے ۱۷

آپ نے فرمایا۔ تہجد کی نماز بعض روایات کے مطابق چھ رکعتیں ہیں اور خواجگان کے نزدیک تحتہ الوضوء کے علاوہ چھ سلام سے بارہ رکعتیں ہیں ۱۸

آپ نے فرمایا۔ ایک بار میں سید قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ امیر شاہ ملک کے مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے حاضرین میں سے ایک شخص شرح منازل السائرین ڈھائی دینار میں خرید کر لایا۔ آپ نے نہایت اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا کہ جس جگہ حضرت خواجہ عبید اللہ انصاریؒ کے معارف ڈھائی دینار میں فروخت کئے جاتیں وہاں بھلائی کی کیا امید رکھی جائے ۱۹

آپ نے فرمایا۔ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ اپنے مریدین و اصحاب کو اپنا فرزند کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کوئی شخص میرے فرزندوں کو (یعنی مریدین کو) چشمِ حقارت سے نہ دیکھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ قبائوش مجھے چشمِ حقارت سے نہ دیکھے گے

آپ نے فرمایا کہ خطرات پر مشرف ہونا ارشاد و تکمیل کی شرط نہیں ہے بلکہ اس راہ میں رشد و ارشاد مشکلات کا حل اور مقامات کا عبور شرط ہے مرید کے احوال بیان کرنے کے بعد شیخ کو مرید کے حال سے اتنا واقف اور باخبر ہونا چاہیے کہ جو مشکل وہ عرض کرے بہ کمالِ دانائی و ولایت اسکی مشکلات کا حل کر سکے۔ امام قشیری نے فرمایا ہے کہ شیخ و مرشد اگر صاحب کشف ہو تو مرید کو اپنا حال اور خطرات عرض کرنا بے ادبی ہے۔ اور اگر صاحب کشف نہیں ہے تو اپنا حال عرض نہ کرنا بے ادبی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطرات پر مشرف اور باخبر ہونا شرط نہیں ہے ۲۰

آپ نے فرمایا۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شیخ و مرشد کے لئے اس قدر مال و دولت جو مریدین کی ضروریات کے لئے کافی ہو ضروری ہے اور اس چیز کو ارشاد و تکمیل کی شرط کہا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خود اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو مرید کو اس کی ضروریات کے لئے دنیا کی طرف بھی مشغول کرنا چاہئے۔ اور طریقت کا سبب اس بات کی طرف مشغول ہونا چاہئے جس کی وجہ سے تمام دنیا سے بیگانہ ہو جائے۔ اور بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ و مرشد کے لئے صاحب جاہ ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی تکمیل کی شرط ہے۔ کیونکہ مرید کی اطاعت و خضوع اس صورت میں بہت زائد ہے۔ اور اس راہ میں ارادت و تسلیم و اطاعت ہی رکنِ اعظم ہے ۲۱

۱۷ مقامات ۲۱۷ ایضاً ۱۸ (حضرات قلندر یہاں بھی یہی معمول ہے) ۱۹ ایضاً ۲۳۳ گے ایضاً ۲۴۲ ایضاً ۲۵۲ ایضاً ۲۶۲

آپ نے فرمایا۔ سہل بن عبد اللہ تسمیٰ حضرت ذوالنون مصری کے شاگرد تھے۔ جب تک حضرت ذوالنون مصری حیات رہے نہ آپ نے اپنے پاؤں دراز کئے اور نہ (حقائق و معارف کے سلسلہ میں) کوئی بات فرمائی۔ ایک روز خلاف معمول پاؤں دراز کر (حقائق و معارف) بیان فرمانے لگے۔ حاضرین نے صورت حال دیکھ کر استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تک حضرت ذوالنون روئے زمین پر رہے۔ میری نہ بات کرنے کی مجال تھی اور نہ پاؤں دراز کرنے کی۔ آج وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ لہذا میری یہ صورت حال بے ادبی نہیں ہے لے

آپ نے فرمایا کہ ذکر کرتے وقت مذکور کے ساتھ رابطہ اور آگاہی شرط ہے۔ اسی آگاہی کو شہود۔ وصول اور وقت قلبی کہتے ہیں اور یہ آگاہی جب تک مستقل نہ ہو اس کو اہل شہود و جود نہیں کہتے لے

آپ نے فرمایا کہ بدن کے لوازمات اور مقتضیات بعض ارواح کے لئے حجاب نہیں ہوتے۔ اور جو کچھ روح کو اس میں معلوم و مشہود تھا وہ فراموش نہیں ہوتا۔ مرصاد العباد میں ہے کہ شیخ علی موزن کہتے تھے مجھے وہ وقت یاد ہے جب میری روح بدن میں ڈالی گئی اور فرشتوں کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہا کہ افسوس۔ صدا فوس۔ اس کی روح کو عالم قدس سے عالم سفلی کی طرف لئے جا رہے ہیں جہاں ہزاروں لاکھوں معاشی ہیں۔ حضرت حق سے خطا ہوا کہ میری عزت و کبریائی کی قسم۔ اگر ایک لاکھ سال بھی وہ جو اقدس میں رہے تب بھی اس کی وہ وقت اور قدر و منزلت نہ ہوگی جتنی اس دنیا میں رہ کر ایک ڈول پانی سے بھر کر کسی بڑھیا کو سیراب کرنا۔ (یعنی عالم قدس میں اس کی سکونت عالم سفلی میں ایک بڑھیا کو پانی پلانے کے ثواب میں ذرہ برابر وقعت نہیں رکھنی لے

آپ نے فرمایا۔ خادم خدمت کے شرائط کا جتنا زائد خیال رکھے گا۔ ادب و محضوع اور انکسار بڑھتا ہی ہے گا اور یہ خدمات اس کے لئے جبرأت کا سبب نہ ہوں ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا لے

آپ نے فرمایا مرید کو چاہیے کہ شیخ کے تمام عادات و اطوار و افعال کو اسی طرح محبوب رکھے جس طرح محبوب کا ہر فعل اور ہر ادا محبوب ہوتی ہے اور اگر اس کا کوئی فعل یا ادا محبوب یا پسندیدہ نہ ہو تو فوراً اس کا ازالہ کرے اور یہ سمجھے کہ شاید اس میں حکمت یا مصلحت ایسی ہے جس کا اسے علم نہیں ہے۔ اس کی استعداد اس کی مقتضی نہیں ہے۔ اور یہ خیال کر کے اس کے ازالہ کی کوشش کرے تاکہ فیض کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔ اور اس کا ازالہ استغفار کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا نظام الدین فرماتے تھے کہ خواجہ غلام الدین کے ایک عورت آئی جیسے ہی حضرت خواجہ کی اس پر نظر پڑی فوراً بیہوش ہو کر گر پڑی۔ میرے دل میں آیا کہ آپ نے کیوں ایسی توجہ فرمائی

جو وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ لیکن میں فوراً متنبہ ہو گیا۔ میں نے کہا مجھ کو اس سے کیا مطلب اور کیا سروکار۔ آپ کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔ حضرت نے فوراً فرمایا۔ مولانا نظام الدین نے اپنے کو بہت جلد آزاد کرالیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مرید کو اپنے مقتدا کے ادب کا لحاظ اہم کام ہے (ادب کا پاس رکھنا بہت مشکل کام ہے)

آپ نے فرمایا۔ ایک روز حضرت خواجہ عبید اللہ انصاریؒ کا پیر سہوا (بھوٹے) اپنے شیخ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے مصلے پر پڑ گیا۔ انھوں نے اس پر توبہ واستغفار نہ کیا۔ اس دوران آپ ہر ہی میں تھے وہاں کے بادشاہ کو جو بلخ میں تھا یہ دکھایا گیا کہ وہ بد مذہب ملحد عذاب و عقوبت کا مستحق ہے۔ اسکو لا کر سنگسار کر دو اس حکم کے بموجب آپ کو قید کر لیا گیا اور بلخ کی جانب بے چلے۔ راستہ میں بلخ سے ہری جانے والے نوگ ملے اور کہنے لگے۔ بلخ والوں نے ایک ملحد کو سنگسار کرنے کے لئے بے شمار پتھر جمع کئے ہیں۔ خواجہ عبداللہ یسن کر سخت متحیر ہوئے اور سوچنے لگے کہ ان سے کون سا گناہ اور جرم ایسا سرزد ہوا جو اس مواخذہ کا سبب ہوا۔ بہت غور کرنے کے بعد ان کو یاد آیا کہ ایک روز غلطی سے ان کا پیر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے مصلے پر پڑ گیا تھا۔ اس غلطی پر انھوں نے نہ توبہ کی اور نہ استغفار کیا۔ چنانچہ آپ نے فوراً توبہ واستغفار کرنا شروع کیا۔ اسمدات اس بادشاہ نے خواب میں حضرت شیخ کو یہ فرماتے سنا کہ عبداللہ نے اپنے جرم و گناہ پر استغفار کر لیا (معافی مانگ لی) لہذا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اب اس کو ذرا بھی تکلیف نہ دو۔ بلکہ عزت و احترام کرو۔ جب وہ بیدار ہوا تو بہت متاثر ہوا اور حضرت شیخ کے اشارہ اور فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے تمام معززین اور اشراف و اعیان کو ساتھ لے کر آپ کے استقبال کو چلا اور خدمت میں حاضر ہو کر نہایت تعظیم و تکریم کی۔ چند روز بعد نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ قدس سرہ نے لکھا ہے کہ آدمی پر جب کوئی مصیبت نازل ہو تو اسے بارگاہِ الہی میں تضرع و زاری کرنا چاہیے تاکہ اس بلا سے چھٹکا پائے۔ اور یہ صورت صبر کے منافی نہیں ہے کیونکہ صبر نہ کرنا غیر حق سے شکوہ کرنا ہے اور بارگاہِ الہی میں گریہ و زاری کرنا قاطع صبر نہیں ہے۔ جیسا حضرت ایوب علیہ السلام کے سلسلہ میں واقع ہے کہ آپ نے انی مستی الضرو انت ارحم الراحمین فرمایا لیکن اس کے باوجود انا وجدناہ صابراً فعمداً لعبداً ان کی شان میں نازل ہوئی۔ اور اگر صبر پر تضرع و زاری نہ کرے اور

اللہ تعالیٰ سے اس کے دفعیہ کی التجانہ کرے تو یہ مناسب نہیں ہے اور نہ اس کو اچھا سمجھا گیا ہے بلکہ اس کو قہر الہی سے جنگ (مقابلہ) کہا ہے اور اس سے مقابلہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کے ساتھ تو ادب اور گریہ وزاری ہی کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو دور فرمادے ۱

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ عمر باغستانی قدس سرہ اپنے صاحبزادہ سے فرماتے تھے۔ اے بیٹے! پاکی طمانہ ہو۔ شیخ نہ ہو۔ صوفی نہ ہو بلکہ مسلمان ہو ۲

آپ نے فرمایا۔ منقول ہے کہ شیخ بہاء الدین قدس سرہ نے فرمایا "بہار الدین کے وجود سے مطلب محمدی کمالات کمال ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان کی مراد اس اسم سے خواجہ محمد پارسا ہیں لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اولیائے امت بھی ان کی ولایت کے وارث ہیں جو کچھ رشد و ارشاد اور ہدایت و تلقین ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب دراصل آنحضرت کے ہی کمالات ہیں جس طرح علمائے امت نبوی کی نبوت کے وارث ہیں اسی طرح جو کچھ علماء و اولیاء سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ کے ہی کمالات ہیں ۳

آپ نے فرمایا۔ حضرت مولانا نظام الدین نے مزارات پر فاتحہ خوانی کا ایک طریقہ مجھے بتایا ہے۔ سورہ فاتحہ ایک بار۔ آیت الکرسی ایک بار۔ قل ہو اللہ بارہ بار اور درود شریف دس بار پڑھنا چاہیے ۴

آپ نے فرمایا۔ اسمعیل آتا ہے منقول ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ فرماتے تھے "آفتاب میں سایہ ہو جاؤ۔ سرمہ میں جامہ ہو جاؤ اور بھوک میں روٹی ہو جاؤ" آپ ان تین باتوں کی بہت تعریف فرماتے تھے اور کہتے تھے یہ بڑی جامع ہیں ۵

آپ نے فرمایا۔ حضرت مولانا نظام الدین سے میں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشْرَبِيْعَةُ اَقْوَامِي وَالطَّرِيقَةُ اَفْعَانِي وَالْحَقِيقَةُ اَحْوَانِي لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا حال کیسا ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ اگر میری نظر کسی جانب ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسری جانب مجھے نظر کرنے کا موقع مل بھی سکے گا یا نہیں۔ اور اگر میرے منہ میں لقمہ ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اسے نگل بھی سکوں گا یا نہیں آپ فرماتے تھے۔ میں نے یہ حدیث نہ کہیں لکھی دیکھی اور نہ کسی سے سنی۔ صرف "شہاب الاعتبار" میں جس کا نام "صنور الاخبار" بھی ہے ایک حدیث اسی سے ملتی جلتی لکھی ہے ۶

۱۔ مقابلہ عالیہ ۴۵ ۲۔ ایضاً ۴۵ ۳۔ ایضاً ۴۸ ۴۔ ایضاً ۴۸ ۵۔ ایضاً ۵۴ ۶۔ ایضاً ۵۴

آپ نے فرمایا حضرت خواجہ بہاء الدین قدس اللہ روحہ فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو بیاسے کو بچاس بار پانی پر لیجا کر بھی بیاسا لاؤں ۴ تو نقش نقشبند را چہ دانی لے

آپ نے فرمایا امام ابو یزید دیوسی سرکہ نے کتاب مقصداۃ میں لکھا ہے کہ ۵ ایک گروہ ایسا ہے جو عدم معرفت کی وجہ سے دنیا کی مذمت کرتا اور سلطنت و بادشاہت کو بھی بُرا کہتا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں بُری نہیں ہیں کیوں کہ آدمی جس طرح فطرتاً کھانے کا محتاج ہے اور بغیر قوت کے عبادت ممکن ہی نہیں ہے اسی طرح گھر گشتی اور لباس وغیرہ وغیرہ۔ اور دنیاوی مال و دولت۔ روپیہ پیسہ اگر اصول شریعت کے مطابق فقراء و مساکین کی امداد و نصرت کے لئے صرف کیا جائے تو درجات اخروی کے حصول کا سبب ہو جاتا ہے اور درجات اخروی کے بے شمار مراتب دنیا سے ہی وابستہ ہیں۔ دنیا حاصل کئے بغیر اس کا حصول مشکل ہے۔ اور سلطنت بھی ایک بلند مرتبہ ہے جو مرتبہ نبوت سے قریب ہے۔ نبوت کے بعد کوئی مرتبہ سلطنت و بادشاہت سے زائد معزز نہیں ہے۔ شریعت اور دین و ملت کی حفاظت جتنی بادشاہوں سے ممکن ہے کسی دوسرے سے ممکن نہیں ہے ۶ آپ نے فرمایا۔ جن بادشاہوں کا کل احکام خداوندی اور شریعت محمدی پر نہیں ہے ان کے گھر میں خدا و رسول نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ ملک و ملت ان کے ہی فکر و تدبیر پر منحصر ہے۔ قل اللہم مالک المملک

وقی اللک من تشاء کی آیت سے غافل ہیں۔ سلطنت و عزت عنایت الہی کے بغیر ممکن نہیں ہے ۷ آپ نے فرمایا۔ ایک روشن ضمیر شخص نے یہ معلوم کیا کہ اس سال کس کا حج قبول ہوا اور کس کا قبول نہیں ہوا اسے مکشوف ہوا کہ ایک شخص کے علاوہ سب کا حج قبول ہوا۔ حالانکہ وہ نہایت صالح اور پاکیزہ تھا۔ اس کو اس بات سے بہت تعجب ہوا۔ جب اس کا سبب معلوم کیا تو اس کے سر میں ندا کی گئی (بتایا گیا) کہ اس کی نامقبولیت کا سبب یہ ہوا کہ اس نے اپنی والدہ کی رضا مندی کے بغیر حج کیا تھا ۸

آپ نے فرمایا۔ میرے ماموں خواجہ ابراہیم فرماتے تھے کہ زمانہ والوں کا بھی عجیب حال ہے وہ جو بھی کہیں اس کی تصدیق کرنا چاہیے ورنہ دشمن ہو جاتیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں زہرہ و زحل تک کو آسمان سے دوڑ لیجاؤں گا تب بھی اسے تسلیم کر لینا چاہیے اور اس کی مخالفت نہ کرنا چاہیے حالانکہ یہ چیز محال ہے ۹

آپ نے فرمایا۔ ادب یہ تو ہے کہ اگر کسی درویش کی صورت دیوار پر بنی ہو تو اس دیوار کے نیچے سے بھی ادب سے گذرنا چاہیے۔ اور درویشی یہ ہے جس کی تعریف پیر ہرات نے ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ درویشی چسیت

۱۰ مقامات عالیہ ۵۷ گم ایثا ۵۵ ۱۱ ایثا ۶۵ ۱۲ ایثا ۸۷ ۱۳ ایثا ۶۵



خاکے بیختہ و آبے براں ریختہ۔ نہ پشت پارا ازاں دردے و نہ کف پارا ازاں گردے : (یعنی درویشی کیا ہے۔ درویشی چھنی ہوئی اور پانی ملی ہوئی (گندھی ہوئی) مٹی ہے۔ نہ پیروں کی پشت اس سے گرد آلود ہوتی ہے اور نہ تلووں کو اس سے کوئی تکلیف ہوتی ہے) اور درویشی کا خلاصہ یہ ہے کہ خود ہر شخص کا بار اٹھائے لیکن خود کسی پر بار نہ ہو۔ نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر لے

آپ نے فرمایا: حضرت خواجہ بہاء الدین فرماتے تھے کہ میں نے مکہ معظمہ میں دو آدمیوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نہایت عالی ہمت۔ اور دوسرا نہایت پست ہمت تھا۔ جو پست ہمت تھا اسے میں نے بحالت طواف دیکھا کہ ایسی متبرک جگہ اور مبارک اوقات میں ہاتھ باندھے بیٹھا ہوا اللہ سے غیر اللہ کا مطالبہ کر رہا تھا اور جو بلند ہمت تھا وہ ایک جوان تھا۔ میں نے اسے دیکھا کہ منیٰ کی بازار میں پچاس ہزار دنیا کی خرید و فروخت کی لیکن اس دوران ایک لمحہ بھی اس کا دل اللہ سے غافل نہ ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر اتنی شرم (غیرت) آئی کہ خون میرے اندر سے ابل پڑا لے

ایک روز آپ نے فقر کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث الاعظم سے خطاب فرمایا اے غوث الاعظم! قل لا صحابك باختیار الفقر ثم بالفقر عن الفقر فاذا تم فقرهم فلا هم الا انا (اے غوث الاعظم! اپنے اصحاب کو فقر اختیار کرنے کا حکم دو۔ پھر فقر عن الفقر کا۔ جب ان کا فقر کامل ہو جائے گا تو ان کا وجود باقی نہ رہے گا بلکہ عین میرا وجود ہو جائے گا) (الفقر اذا تم هو اللہ این است) لے

آپ نے فرمایا: حصول نیستی کے بے ذلت و خواری کی راد اختیار کرنا چاہیے تاکہ اس نیستی کے آئینہ میں شاید لاہوتی کے جمال کا مشاہدہ کرے لے

آپ نے فرمایا جو طالب لوگوں سے ذلت پانے اور اُن کی گالی گلوچ سے خوش نہیں ہوتا۔ کبھی حقیقت کے معانی کی خوشبو مشام جاں تک نہیں پہنچا سکتا اسلئے کہ محققین کے نزدیک لا فاعل فی الوجود الا اللہ ایک امر مقرر ہے جو کچھ محبوب سے ملے۔ خواہ ذلت ہو یا گالی گلوچ۔ محب کے نیاز مند انہ روش ہی اختیار کرنا چاہیے۔ سرور ہی حضوری کا سبب ہوگا۔ (ہرچہ از دوست می رسد نیکوست) دشنام طرازی بھی معشوق کی ایک صفت ہے محب کو ہمہ وقت اسی کے صفات و افعال پر نظر رکھنا چاہیے اور اس پر بجائے شکوہ و شکایت کے خوش اور مسرور رہنا چاہیے لے

لے مقامات عالیہ ۹۸ لے رشحات ۱۴۱ لے ایضاً ۱۴۵ لے ایضاً ۱۴۶ لے ایضاً ۱۴۷

آپ نے فرمایا۔ کوئی چیز حقیقت انسانی کو اتنا پاک و صاف نہیں کرتی جتنی خصوصاً بلا و محنت۔ کیونکہ یہ سب حجاب غلیظ کو اٹھا دیتے والی ہیں۔ یہ حدیث شریف ان اشد البلاء علی الانبیاء علی الاویام ثم الاھل فالشہاء اسی بات کی شاہد ہے۔ ہم اسی طریقہ کے معتقد ہیں۔ لیکن ہمارے دوستوں میں سے کسی ایک کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ حضرت سلطان بایزید قدس سرہ فرماتے تھے لَوَ اِنِّی اَنفَع مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (یعنی میرا جھنڈا حضور کے جھنڈے سے بلند ہے) اکابر (صوفیاء) نے اسکی تاویل میں کہا ہے کہ لَوَ اِنِّی سے آپ کا مطلب ہے مرتبہ ولایت۔ اور رَوَاءُ مُحَمَّدٌ سے مطلب ہے مرتبہ نبوت۔ اور اُولَ اَیَّہِ الْفَضْلِ مِنَ الْبُؤَہِ کے یہی معنی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال سے فرمایا سَأَلِ الْعُلَمَاءَ وَخَاطِئِ الْحُكَمَاءَ وَجَالِسِ الْكِبَرَاءَ یعنی علماء سے سوال کرو۔ حکماء سے میل جو رکھو اور اکابر کی ہم نشینی اختیار کرو۔ اکابر طریقت نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ صاحبانِ ذوق و حال کی ان علمائے ظاہر کے ساتھ نشست و برخاست جن پر احکامِ علمیہ غالب ہیں پسندیدہ و مستحسن نہیں ہے۔ ان کی ہم نشینی عطا و بخشش کا سد باب کر دیتی ہے۔ ان کی ملاقات (صرف) ضرورتاً کرنا چاہیے۔ جیسا سائل العلماء سے ظاہر ہے۔ اور حکماء سے مراد وہ گروہ ہے۔ جن کے پیش نظر قلوب کے احوال و اوصاف ہیں وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کی ملاقات اور ان کے وہاں آمد و رفت سابقہ فرقہ کے مقابلہ میں زائد کرنا چاہیے۔ جیسا خالط الحکماء سے ظاہر ہے۔ اور کبراء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل ماسوا سے خالی ہو چکے ہیں اور وہ اس کی جانب متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ ان کی حقیقت مقصودِ اصلی میں سکونت پذیر ہے جیسا جالس الکبراء سے ظاہر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اس امت سے مسخ صورت مرتفع ہے (صورت کا مسخ ہونا اٹھایا گیا ہے) لیکن مسخ باطن واقع ہے اور مسخ باطن کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ کبیرہ کا باطن گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے باوجود متالم و متاثر نہ ہو۔ اور فسق و فجور و معاصی میں اس حد تک مبتلا ہو گیا ہو کہ جب اس سے گناہ کبیرہ صادر ہو تو اس کے کرنے کے بعد بھی اسکے باطن میں کوئی ندامت و ملال نہ پیدا ہو۔ اور اگر اس کو تنبیہ کی جائے تو وہ بوجہ اپنی قسادت قلبی (قلب کی سختی) کے متنبہ و متاثر نہ ہو۔

لے صفحات ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳،

[illegible]

آپ نے فرمایا۔ جو بچے علم حاصل کرنے میں نیز صرف و نحو کے قواعد میں مصروف ہیں ان کو اس طرح سمجھانا چاہیے کہ ان کی فطرتِ اصلی میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔۔۔۔۔۔ اور استاد کو چاہیے کہ سبق پڑھانے کے بعد تصوف و غیرہ کی بھی تعلیم دے اور ترغیب دلائے۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی غلطی نہ ہو تو فطری صفائی باقی رہے گی اور اگر روحانیت غالب ہو تو علوم ظاہری کی طرف بھی مشغول ہونے سے فطری صفائی زائل نہیں ہوتی ہے لہٰذا آپ نے فَاسْتَقِمْ کَمَا أُمِرْتَ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے بارہ میں فرمایا کہ استقامت سے مراد ہے راہِ اعتدال (میانہ روی کا راستہ) جو افراط و تفریط سے پاک ہو یعنی اس کی کوشش و اہتمام کرے کہ اسکے تمام اقوال و افعال صراطِ مستقیم پر ہوں اور فراط و تفریط سے خالی ہوں اور اس راہ میں ہدایت انبیاء و اولیاء کو میسر ہے ۳

آپ نے فرمایا۔ فتوحات میں لکھا ہے کہ دنیا میں سب سے آخر میں ایک ضعیفہ دو توأم (جڑواں) بچے پیدا کر گئی ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا حضرت شیٹ کے قلب پر ہو گا وہ مخلوق کو ہدایت دینے کی

۱۷ مقامات عالیہ ۸<sup>۷</sup> مقامات عالیہ ۱۸<sup>۷</sup> مقامات عالیہ ۱۹<sup>۷</sup> مقامات عالیہ

بہت کوشش کرے گا لیکن کوئی اس کی ہدایت نہ قبول کرے گا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد باوجود اس کے کہ لوگوں میں آپس میں بہت نکاح ہوں گے لیکن کسی نے اولاد نہ ہوگی۔ وہ سب بانجھ ہو جائیں گی۔ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی سہ

آپ حضرت سید قاسم کے حوالہ سے فرماتے تھے سہ

قضا سے است پنچ انگشت دارد چو خواہد از کسے کاسے بر آرد  
دو بر چشمش نہد و نیز بر گوش یکے بر لب نہد گوید کہ خاموش لکے

(قضا) موت پانچ انگلیوں والا ایک ہاتھ ہے۔ وہ جب کسی سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی ہے تو اپنی انگلیاں اس کی دونوں آنکھوں پر اور دو کندوں کانوں پر رکھ دیتی ہے۔ اور ایک اس کے دونوں ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش کر دیتی ہے۔

آپ نے فرمایا شیخ خاوند ظہور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ تمام گروہوں میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے جس میں خوبصورتی اور حسن نہیں اس میں دلبری و دلربائی اور جس میں کمال نہیں اس میں رہبری نہیں اور اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ توحید سے مطلب ہے جسم کو شہوات سے عبادت کے لئے منفرد اور مخصوص کر دینا اور دل کو عبودیت کے لئے خطرات سے یگانہ رکھنا اور اسی رسالہ میں یہ اشعار بھی لکھے ہیں سہ

محبوب بجز حبیب زیبا نہ بود ہر بانجھ جائے تماشا نہ بود



دل را بہ کسے مدہ کہ در عالم عشق ہر جا کہ رود رخت دلاں جان بود



دل را بہ کسے بخش کہ دلدار بود جاں را بہ کسے مدہ کہ خریدار بود

آپ نے فرمایا۔ صاحب کشف المحجوب نے کہا ہے کہ تمام محققین نے مجاہدہ کو مشاہدہ کا سبب کہا ہے۔ اور سہل بن عبد اللہ تستریؒ نے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت کہا ہے اور دنیاوی زندگی کو حصول مراد کے سلسلہ میں حیات عقیقی پر فضیلت دی ہے یہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شہبازِ دل پہ چاہتا ہے کہ ناسوتی قیود کو توڑ کر عالم علوی کی جانب پرواز کر جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ "اَطْلُبُوا السَّوَاءَ مَجْمَعًا" (یعنی ضرورتوں کو خوبصورت چہرے والوں سے طلب کرو) اور حسان الوجہ سے مراد وہ حقایق ذاتی ہیں جو خواہش اور طبیعت کے تصرف سے محفوظ ہوں (یعنی ہواؤ ہوں کا اس میں شائبہ نہ ہو)۔

آپ نے فرمایا کہ بعض حضرات نے اشارتاً یہ کہا ہے کہ انبیاء و رسولوں کی بعثت کا (اصل مقصد) دراصل حضرت حق کے جمال و کمال کا ظہور ہے اس لئے کہ مقصودِ اصلی حضرت حق کے اوصاف کا ظہور ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اس کے مظہر اور آئینہ حق ہیں ان کا وجود بشریت عارضی ہے چنانچہ یہ آیات کریمہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اور ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ اسی بات کی تائید کرتی ہیں۔ اور وہ جماعت جو ازلٰی طور پر اپنے کمال استعداد کے ساتھ ہدایت یافتہ ہونے پر مقرر ہوئی ہے اسی مظہر اور آئینہ کمال و جمالِ حقیقی سے دیکھتی ہے اور اسی صفائی استعداد کی بدولت منجذب اور بہرہ مند ہوتی ہے۔ اور اکابر اولیاء اللہ بھی ایسے ہی ہیں یعنی مظہر اور آئینہ حق ہیں اور اس موقع پر یہ اشعار پڑھے۔

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے      چندیں سخنِ خوب کہ گفتے کہ شنیدے  
گر باد نہ بودے کہ سر زلف ربودے      رخسارہ معشوق بہ عاشق کہ نمودے

آپ نے فرمایا بعض حضرات نے لکھا ہے کہ شیطان کا بھی ایک عرش ہے اور وہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اور عرش پر اس کے استوی کے سبب کوئی چیز اس کے احاطہ تصرف اور ہوا جس سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کا احاطہ بھی مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی مرتبہ میں ثابت ہے اس کی تاثیر سے نجات ممکن نہیں ہے لیکن وہ جماعت جو تشریفِ اضافت سے مشرف ہیں (یعنی اللہ سے اسے خاص نسبت حاصل ہو) یعنی

۱۔ مقامات عالیہ ۲۔ ۳۔ ایضاً



آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اگر مرید شیخ میں کوئی عیب دیکھے اور اس سے اس کے عقیدہ میں خلل پڑے اور پھر وہ شیخ کے روبرو جائے تو وہ منافق ہے۔ مرید کو چاہئے کہ وہ شیخ میں ہوا کمال کے کچھ نہ دیکھے ۱۵

آپ نے فرمایا۔ مرید کی چشم نقص کو رہے (یعنی تنقیدی نظر اندھی رہے) تاکہ وہ پیر کے کمال کے ہوا کچھ اور مشاہدہ ہی نہ کرے ۱۶

آپ نے فرمایا۔ مرید کی توجہ پیر کی دونوں ابرؤں کے درمیان رہنا چاہئے اور وہ پیر کو اپنے تمام احوال و اوقات میں حاضر و ناظر و مطلع جانے تاکہ پیر کی عظمت و بزرگی اس میں تصرف کر کے جو چیز اس کی طبیعت کے مطابق نہ ہو اسے اس کے (مرید) دل سے نکال دے اور اس سلسلہ میں اس حد تک پہنچ جائے کہ پیر و مرید کا درمیانی حجاب اٹھ جائے اور پیر کے تمام مرادات و مقاصد بلکہ اس کے احوال و مواجید مرید کے معائن و مشاہد ہو جائیں۔ ع ایں کار دولت است کنوں تاکہ ارشد ۱۷

آپ نے فرمایا کہ ان علمائے ظاہر کی صحبت سے منہوں نے علم کو محض دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے پر ہیز کرنا چاہتے ۱۸

خانہ شرع خراب است کہ اباب صلیح در عمارت گری گنبد دستا یہ خود اند

آپ نے فرمایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیت الحرام مومن کا دل ہے۔ اور بعض کہتے ہیں عارف کا دل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حق کے سوا جو کچھ اسپر گذرے وہ حرام ہے ۱۹

آپ نے فرمایا کہ سید قاسم فرماتے تھے۔ خوشنویسی بھی بہترین کسب ہے۔ (قول حضرت امیر المؤمنین علیؑ) حَسُنُ الْخَطُّ قَرُوءٌ ۲۰

آپ نے فرمایا۔ مرتبہ نبوت کے بعد بادشاہت کا مرتبہ ہے اس سے بڑھ کر سوا نبوت کے کوئی اعلیٰ مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ دین کی امداد اور شریعت کی حفاظت جتنی عادل بادشاہوں کے ہاتھوں ہو سکتی ہے کسی عام آدمی سے ممکن نہیں ہے۔ ظالموں اور باغیوں کا دفاع بھی بادشاہ ہی کر سکتے ہیں۔ جس قدر خیرات بادشاہ ایک گھڑی میں کر سکتا ہے۔ دوسرا برسوں میں نہیں کر سکتا۔ قبا خرابی اور نکبت اس وقت ہوتی ہے جب بادشاہت اور حکومت سعادتِ آخرت کا ذریعہ نہ ہو سکے

۱۵ مقامات عالیہ ۸۹-۸۵ ۱۶ ایضاً ۴۹ ۱۷ رشحات ۱۲۴ ۱۸ فقرات خواجہ احمد ۵۴ ۱۹ مقامات عالیہ ۹۸ ۲۰ ایضاً ۱۰۰ ۲۱ ایضاً ۵۶



آپ نے فرمایا سلطنت اور حکومت یہی ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کی پوری پابندی کی جائے حضرت عمرؓ نے اپنے صابنہ پر حد شرع جاری کی اور جسم سے روح کی مفارقت کے بعد بھی بقیہ کوڑے لگانے کا حکم دیا بلا

آپ نے فرمایا۔ کوئی عمل اس سے بہتر نہیں ہے کہ امرا اور بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر حاضر رہے۔ دولت و ثروت کی لالچ کے لئے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ حاجت مندوں۔ فقروں اور مظلوموں کی مدد کرے ایک مرتبہ ایک بزرگ کو راہ حق میں ایسی دشواری پیش آئی جو کسی طرح حل نہ ہوتی تھی۔ ان کو تین مرتبہ ہدایت ہوئی کہ فلاں شاہی چوہدار کے پاس جاؤ تاکہ تمہاری مشکل حل ہو انھیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ اس چوہدار سے باطنی امور میں مدد مل سکے گی۔ متواتر اہام اور حکم حق ملنے پر مجبوراً یہ خیال کر کے چوہدار کے پاس گئے کہ غالباً خداوند تعالیٰ کی اس پر خاص عنایت ہے۔ جب مشکل حل ہو گئی تو چوہدار سے پوچھا کہ تمہارا کون سا عمل خداوند تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ تم کو یہ دولت باطنی عطا ہوئی۔ اس نے جواب دیا کہ میں روزانہ صبح کو اٹھ کر بادشاہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوتا ہوں اور دن بھر اسی کوشش میں رہتا ہوں کہ میری کوشش سے مظالم اور خلاف شرع امور نہ ہونے پائیں۔ جس روز کامیاب ہو جاتا ہوں خدا کا شکر کرتا ہوں اور ناکامی کی حالت میں صبر اختیار کرتا ہوں جس کے انجام میں مجھ کو ایسا مرتبہ اور ایسی دولت نصیب ہوئی کہ تم جیسے لاکھوں ولی میرے پاس آتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ عادل بادشاہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اقتدار کے مظہر ہیں۔ ان کو چاہئے کہ اقتدار و حکومت میں مستقل رہیں تاکہ صحیح معنوں میں مظہر حق ہو سکیں۔ سلطنت میں شرکت عیب ہے۔<sup>۳</sup> آپ نے فرمایا۔ صحبت کے فوائد بہت ہیں لہذا تنہا سے فائدہ کے لئے صحبت کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

(صحبت مرداں اگر یک ساعت است بہتر از صد خلوت و صد طاعت است)

آپ نے فرمایا۔ بہت ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے

خندہ کم کن کہ خندہ بسیار صد دل زندہ را بمیراند

آپ نے فرمایا۔ ایک بار حضرت شیخ سعد الدین اور شیخ علی لالا کے مابین کچھ اختلاف ہو گیا۔ جب ان

کے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ کو یہ معلوم ہوا تو دونوں کو خطوط لکھے۔ شیخ علی لالا کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم شیخ سعد الدین کے علوم و معارف سے ناواقف ہو وہ محبت و اخلاص کے مقام پر ہیں۔ اور شیخ سعد الدین کو یہ تحریر فرمایا کہ تم شیخ علی لالا کے مقام و حال سے واقف نہیں ہو جو اپنے دل میں ان کے متعلق یہ خیالات قائم کئے ہو۔ پھر آپ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "حال کے لحاظ سے تو شیخ علی لالا خوب تھے اور علوم و معارف کے لحاظ سے شیخ سعد الدین۔"

بعض اوقات آپ شیخ سعد الدین کی یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

آنم کہ جہاں چو خفہ در مشیت من است      ای قوت حق کہ قوت پست من است  
کونین و مکان و ہرچہ در عالم ہست      در قبضہ قدرت دوانگشت من است

(میں ہوں کہ سارا عالم حق کی (نہ کی) طرح میری مشیت میں ہے یہ قوت جو مجھ میں ہے دراصل حق کی ہی قوت ہے۔ کونین میں جو کچھ ہے وہ میری صرف دوانگیوں کے قبضہ قدرت میں ہے۔)

آپ نے ایک بار یہ شعر پڑھا۔

تینغ حلم از تیغ آہن تیز تر      بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

(حلم کی تلوار فولاد کی تلوار سے بھی زائد تیز بلکہ صد ہا فتح مند لشکروں سے بھی بڑھ کر ہے)

آپ نے فرمایا۔ میں نے ایک شب خواب دیکھا کہ ایک بڑے چورسے پر بیٹھا ہوں۔ اچانک حضرت شیخ زین الدین خوانی کو دیکھا کہ وہ بھی اسی شرک پر ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلشَّمَاعُ اَهْلٌ لِاَهْلِ اللّٰہِ (سماع اہل اللہ کے لائق ہے) پھر مجھ سے کہا "آؤ تم کو اپنے گاؤں لے چلوں۔" لیکن میرا وہاں جانے کا دل نہ چاہا۔ اسی اثنا میں یہ دیکھا کہ حضرت سید قاسم ایک سفید گھوڑے پر سوار اسی شرک سے آرہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ "یہ شرک شہر کو جاتی ہے آؤ میں تمہیں اپنے ساتھ شہر لے چلوں۔" یہ فرما کر مجھے اپنی پشت پر بٹھالیا۔

آپ نے فرمایا۔ جو شخص دم نقد ہماری صحبت و ہم نشینی سے مستفیض ہونا چاہے وہ قابل

مبارکباد ہے اور اگر کوئی اس کا منتظر ہے کہ میری وجہ سے اس کو فائدہ و نفع ہوگا تو وہ فضول اپنے اوقات  
بر باد کرتا ہے.....

آپ نے حدیث شریف التَّكْبَرُ مَعَ التَّكْبَرِ صَدَقَتْهُ (مغرور کے ساتھ غرور کرنا صدقہ ہے)  
کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ تکبر کی دو قسمیں ہیں مذموم اور محمود۔ مذموم یہ ہے کہ تمام لوگوں سے اپنے کو  
بڑا اور افضل اور ان سب کو حقیر سمجھے۔ اور محمود یہ ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم کی طرف متوجہ نہ ہو یعنی جو کچھ  
غیر حق ہو وہ اس کی نظر میں حقیر اور بے وقعت ہو اور اس کا علاقہ التفات اس سب سے (یعنی غیر اللہ)  
منقطع ہو جائے یہی اصل تکبر ہے اور مرتبہ فنا پر پہنچا دینے والا ہے اور یہ محمود ہے ﷺ

آپ نے فرمایا شب معراج کی حدیث میں جو یہ ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے رک گئے اور یہ کہا کہ لَوْ دَفُوتُ أَنْعَلَةً لَأَحْتَوَتْ۔ (اگر میں ایک پور بھر  
بھی قریب ہو جاؤں تو جل جاؤں گا) اگر ایک سر جوئے برتر پریم۔ فروغ تجلی بسوز دپریم (محققین  
نے اس کے معنی میں یہ کہا ہے کہ اگر میں ایک انگل بھر بھی اپنے مقام سے جس سے مراد شہود ذات  
مع الصفات ہے آگے بڑھوں تو یقیناً جل جاؤں گا۔ میں نہ رہوں گا بلکہ دوسری چیز ہو جاؤں گا۔  
یعنی صفت جل جائے گی اور ذات باقی رہ جائے گی ﷺ

آپ نے فرمایا جوانی اور فرصت بڑی غنیمت ہیں۔ یہ بات بڑے افسوس کی ہے کہ ان فاسد  
اوقات عزیز سعادت سرمدی کا ذریعہ نہ ہوں فقیری اور درویشی دراصل ذکر کرنا نہیں ہے۔ بلکہ درویشی  
یہ ہے کہ اپنے کو اخلاق نبوی کے ساتھ یعنی حلم و کرم۔ سخاوت۔ تواضع۔ ایشائیز تمام اوصاف کے ساتھ متخلق  
کر لے۔ اور اس بات کی خاص طور پر کوشش کرے کہ دل کو دنیاوی امور سے کوئی کسی چیز کے ساتھ  
التفات نہ رہے۔ مشائخ طریقت قدس اللہ ارحمہم نے فرمایا کہ دل کی ماسوائے حفاظت کرے  
کیونکہ دل کی مثال آئینہ کی ہے جو چیز بھی آئینہ کے مقابل ہوگی اسی صورت سے متصف ہو جائے گی۔  
جب صورتیں اور نقوش کائنات دل سے محو ہو گئے تو دل میں ایک حقیقت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا  
آپ نے فرمایا۔ موجودہ بزرگ لوگ بھی بہت غنیمت ہیں اگرچہ بزرگان ماضی کی طرح نہ ہوں۔

اکابر نے فرمایا ہے کہ ”گربہ زندہ بہ از شیر مردہ“ (زندہ بلی مردہ شیر سے بہتر ہے)

آپ نے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ حمد کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا۔ ابتداء یہ ہے کہ جو نعمت وہ بندہ کو عطا فرماتا ہے تو بندہ اس لئے اس کی حمد کرتا ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ حمد نعمت کو زیادہ کرتی ہے۔ (لَئِنْ شَكَرْتُمْ كَلَّا نَزِيدَنَّكُمْ ۖ اِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّكُمْ لَشَاكِرُونَ) اور زائد دوں گا) اور انتہا یہ ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک قوت عطا فرمائی جس سے وہ حق عبودیت کے ساتھ قیام کرتا ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسی نعمت کے حاصل ہونے پر جس کی وجہ سے اسے قرب اور رضائے حق کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے حمد کرتا ہے بلکہ حمد کی نہایت یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ حمد کرنے والا اسی کا مظہر ہے غیر نہیں ہے (اور) بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کر لے کہ وہ معدوم ہے نہ اس کی کوئی ذات ہے نہ صفت اور نہ فعل۔ (یعنی اپنے کو معدوم محض سمجھ لے) وہ اس تفکر میں اپنے کو مسرور کرتا ہے کہ اس نے (حق نے) اس کو (بندہ کو) اپنی صفات کا مظہر بنا دیا ہے ۱۵

آپ نے وَقِيلَ لَهُمْ يَا اُولَئِیَ الشُّكُورِ (میرے بندوں میں شکور یعنی شکر گزار بندے بہت کم ہیں) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ شکور درحقیقت وہ ہے جو نعمت میں منعم کا مشاہدہ کرے اور حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر نعمت سے لذت یاب ہو تو شکر کے منافی نہیں ہے (یہ بھی شکر کا ایک حصہ ہے) اور یہ بھی وصول الی اللہ کا سبب ہے ۱۶

آپ نے فَاَعْرِضْ عَنْ مَعْشَرَ الَّذِیْنَ ذُكِّرْنَا (روگردانی کرو ان لوگوں سے جنہوں نے ہم سے اعراض کیا ہے) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس آیت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: ظاہری معنی تو یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ اعراض کرو اس گروہ سے جو منکرین اور غافلین ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہیں جو مرتبہ فنا پر فائز ہو کر شہود میں مستغرق ہے اور ذکر کی صفت ان سے اٹھالی گئی ہے۔ اگر بالفرض ان کو (اعراض کرنے والوں کو) ذکر سے مکلف بھی کیا جائے تو ذکر ان کے مرتبہ شہود میں ایک حجاب ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مامور ہوئے کہ آپ اس گروہ سے اعراض کریں جو ذکر سے اعراض

مر کے شہود میں مستغرق ہو گیا ہے۔ اور اعراض سے مطلب یہ ہے کہ ان کو ذکر کے لئے مکلف نہ فرمائیں  
آپ نے قُلْ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (تم ان سے کہو۔ پھر ان کو جھک مارنے دو) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ  
اس سے مراد یہ ہے کہ ذات کی طرف متوجہ رہے نہ صفات کی طرف

آپ نے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (ان میں سے بعض اپنی  
جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض ميانہ روی ہیں اور بعض نیکوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا  
کہ ہو سکتا ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ سے اشارہ اس گروہ کی طرف ہو جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا یعنی  
جو کچھ اس کی (نفس کی) مراد ہے لذات و شہوات سے اس کو محروم کر دیا ہے اور تمام احوال میں اس  
کی (نفس) مخالفت کو لازم رکھا ہے۔ تاکہ وہ (نفس) موہبت الہی کی قبولیت کے لئے مستعد ہو  
جائے۔ اور مقتصدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس تحقیق پر نظر رکھیں تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب  
ہوں اور سابق بالخیرات ہو جائیں

آپ نے مَوَاعٍ عَلَيْهِمْ اَنْذَرْتُمْهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَآئِمُونَ (کیساں ہے ان کے حق میں کہ تم ان کو  
(عذاب الہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ (سورہ بقرہ پارہ الم۔ رکوع ۱) کی آیت کے سلسلہ میں  
فرمایا کہ شاید اس سے اشارہ نبی آدم کے اس گروہ کی طرف ہے جو اسم ہیمین کے قلب پر واقع ہوا ہے کہ  
وہ ملائکہ میں سے ایک گروہ ہے جن کو شہود ذاتی میں غایت استخراق کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی کوئی  
خبر نہیں ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ذات حق کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ جب ان کو کسی چیز کی خبر  
نہیں ہوتی تو ضرورتاً کسی چیز پر ایمان بھی نہیں رکھتے۔ لامحالہ لایمون ان بزرگواروں کا وصف ہوا  
آپ نے لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج حکومت کس کی ہے۔ صرف اللہ کی جو بڑا زبردست  
ہے۔ سورہ مومن۔ رکوع ۱۔ پارہ ۲۷) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہو سکتا ہے ملک سے مراد سالک دل  
ہو یعنی جب اللہ تعالیٰ قہر حدیث سے کسی دل پر بجلی فرماتا ہے تو اس دل میں اپنے غیر و غیریت کا کوئی  
نشان و اثر نہیں چھوڑتا۔ پھر اس دل میں لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ کی صدا داخل فرماتا ہے اور جب اس میں  
اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا تو خود ہی جواب دیتا ہے لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، سُبْحَانَ مَا عَظَّمَ تَسَابُحِي۔  
اَنَا الْحَقُّ اَوْ هَلْ فِي الدَّارِ بِنِ غَيْرِي وَغَيْرِ غَيْرِہ کی صدا بھی اسی مقام سے ہے۔

۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶

آپ نے یا اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِیَّی اللّٰہِ دے لو گوارتم الشری کے محتاج ہو (سورہ فاطر کو ۷۷) (۲۲)  
 کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ تمام آدمی حق کے محتاج ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے ذریعہ  
 پہلے ہی سے یہ جانتا تھا کہ آدمی بہ تقاضائے بشریت روٹی۔ پانی اور اسبابِ دنیوی کا محتاج ہوگا۔  
 لہذا جمالِ قیومیت کو اشیاء کے مظاہر سے ظاہر فرمایا تاکہ آدمی حیر کا بھی محتاج ہو حقیقتاً حق کی  
 قیومیت کی وجہ سے حق کا ہی محتاج ہو لے

۱۰ ایک روز دورانِ گفتگو بعض حاضرین کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ فضول گھوما  
 کرتے ہو کوئی کام ایسا کرو کہ کوئی تم سے مستفید ہو جائے۔ جہاں تک ہو سکے اپنے کو کم کرنے  
 کی کوشش کرو۔ کیونکہ احديث کا شہود کثرت میں حاصل ہوتا ہے بعض لوگوں نے اَنَا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ  
 کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم نے تم کو کوثر عطا کی یعنی کثرت میں احديث کا شہود عطا کیا لے

آپ نے الْقَنَاعَةُ كُنْزٌ لَا يَفْنَى (قناعت وہ خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا) کی حدیث کے معنی اس  
 طرح بیان فرمائے کہ ہمارے نزدیک قناعت یہ ہے کہ جب کسی کو جو کی کچی روٹی ملے تو وہ پکی روٹی  
 کی تمنا نہ کرے اور اس کو بھی اتنا ہی کھائے کہ تمنا نہ کرے۔ اور فرمایا کہ اس طرح  
 رہنا چاہئے جو کھانا پینا ہمیشہ میسر رہے۔ اور قناعت اس چیز پر کرنا چاہئے جس سے بہتر ممکن  
 نہ ہو۔ پھر اپنا دست مبارک پھیلا کر ارشاد فرمایا کہ بھوکے کیلئے سٹھی بھر چاول یا آٹا کافی ہے  
 جس نے ایسا کیا وہ آسودہ ہوا۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ پھنس جائے جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی  
 آبادی اور کھانے کی امید بھی نہ ہو ایسے وقت بھی اس کو کھانے کا خیال نہ آئے اور نہ اس کا  
 دل پریشان و متفکر ہو۔ حقیقتاً ایسے شخص کو ضرورتاً قانع کہا جاسکتا ہے لے

آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ حَقِيقَةُ الذِّكْرِ عِبَادَةُ  
 عَنْ تَجَلِّيَةِ سُبْحَانَهُ لِذَاتِهِ بِذَاتِهِ فِي عَيْنِ الْعَبْدِ مِنْ حَيْثُ اسْمُ الْمُتَكَلِّمِ (حقیقت ذکر سے مطب  
 اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے اپنی ذات کے لئے اپنی ذات کے ساتھ بندہ کی عینیت میں اسم متکلم کی  
 حیثیت سے) اور فرمایا کہ یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک طالبِ عرصہ دراز

تک ذکر کر کے دوام آگاہی حاصل نہ کر لے۔ بعد ازاں اگر فنائیت میں مستغرق ہو جائے اور اس نسبت کو اپنے سے سلب کر لے تو وہ اللہ کی جانب سے عنایت ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ہے  
 یک حملہ مستانہ مردانہ بکر دیم از علم گذشتیم وہ معلوم رسیدیم  
 جب ہم نے ایک مستانہ حملہ مردانہ وار کیا تو علم سے گذر کر معلوم تک پہنچ گئے۔ (یعنی بقا بعد الفنا حاصل ہو گئی)

آپ نے فرمایا کہ اکابر طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ ہر برائی اور گالی گلوچ جو کوئی تم کو دے تمہیں اس کی حقیقت جان لینا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر تم کو سورا اور کتا وغیرہ بھی کہیں تو تم اس کا یقین کر لو کہ تم میں ان صفات میں سے کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ کیونکہ آدمی ایک نسخہ جامعہ ہے اس میں جس طرح صفات ملکی ہیں اسی طرح صفات سبعی و بہیمی بھی ہیں۔ اکابر میں سے ایک صاحب الطائفہ حضرت جنید قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت شبلی آئے۔ ان بزرگ نے حضرت جنید کے سامنے ان کی بہت تعریف کی۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ تمام تعریف تم نے اس سورا کی گئی کہ وہ بزرگ اس بات سے نہایت شرمندہ ہوئے کہ محض ان کی تعریف کی وجہ سے شبلی سورا بنا دئے گئے۔ لیکن حضرت شبلی کے ظاہر و باطن پر اس بات سے کسی قسم کی کراہت کا اثر نہ پیدا ہوا اور انہیں کوئی خیال آیا۔

آپ نے فرمایا کہ شیخ ابو یزید قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ تیس سال تک میں نے حق سے کہا اور سنا اور خلق یہ سمجھتی رہی کہ میں ان سے کہتا اور سنتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ظاہر ہے وہ منظر سے ہے نہ کہ منظر سے۔

آپ نے فرمایا کہ (ایک بار) شیخ ابو یزید قدس سرہ راستہ سے گذر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بھگاکتا سامنے آیا انہوں نے اپنا دامن اس سے سمیٹ لیا۔ کتے نے بہ زبان فصیح ان سے کہا کہ اگر تمہارا دامن مجھ پر پڑ جاتا تو پانی سے پاک ہو جاتا لیکن یہ دامن جو تم نے مجھ سے سمیٹا اور اپنے کو مجھ سے زائد پاک دیکھا تو وہ کون سے پانی سے پاک ہو گا؟



ایک شخص مومن کے دل میں حضرت کی مقدم خدمت میں یہ آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ میرے باطن میں تصرف فرماتے۔ حضرت اس کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور فرمایا کہ کمال تصرف تو اس وقت ہو گا جب میں ”تو ہو جاؤں یا تو“ میں ہو جائے۔ پھر پیر بریٰ قدس سرہ کا یہ ارشاد زبان مبارک سے دہرایا ”عبداللہ مردے بود بیابانی۔ رفت بہ طلب آب زندگانی۔ ناگاہ فرار سید بہ خرقانی۔ آنجا یافت چشمہ آب زندگانی۔ چن داں خورد کہ نہ دے ماند و نہ خرقانی“ (عبداللہ ایک جنگلی آدمی تھا۔ آب حیات کی تلاش میں نکلا۔ اچانک خرقانی کی خدمت میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے آب حیات کا چشمہ دیکھا اس کو اتنا پیسا کہ نہ وہ خود باقی رہا اور نہ خرقانی۔ (یعنی تمام حجابات اٹھ گئے اور عاشق ہر تن معشوق ہو کر زبان حال سے یہ کہنے لگا کہ

اتحادیست میان من و تو۔ من و تو نیست میان من و تو۔)

آپ نے فرمایا کہ محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ ترقی بعد الموت بھی ہوا کرتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی بات اسی بات کی تصدیق کرتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بجلیات میں سے ایک تجلی میں شیخ ابوالحسن نوری کے ساتھ اکٹھا ہوا۔ انہوں نے مجھے بوسہ دیا اور مجھ سے سیراب (فیضیاب) ہوئے۔ میں نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ توحید کا تشنہ غیر سے سیراب نہیں ہوتا (حالانکہ تم مجھ سے سیراب ہوئے وہ میری اس بات سے شرمندہ ہوئے میں نے کہا جب ذوق اوپر سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسفل (نیچے) سے نہیں لیتا۔ اس کے علاوہ محققین کی بہت سی باتیں ہیں جو ترقی بعد الموت پر دلالت کرتی ہیں۔ راقم حروف کہتا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات میں بعض مقامات پر فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے ترقی بعد الموت کی نفی کی ہے ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن نوری بھی ہیں۔ ان کا حال موت کے بعد دو باتوں سے باہر نہیں ہے (ان باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے) یا انہوں نے علم الیقین کے ذریعہ جان لیا کہ ترقی بعد الموت واقع ہے یا یہ جان لیا کہ واقع نہیں ہے اگر یہ جان لیا کہ واقع ہے تو مدعا ثابت ہے۔ (یعنی ترقی بعد الموت ہے جو مصنف کا مسلک ہے) اور اگر یہ جان لیا کہ واقع نہیں ہے تو یہ

دوسرا علم ہے جو موت کے بعد ان کو حاصل ہوا ہے پس بہر حال ترقی بعد الموت واقع ہے۔ یعنی یہ بات بھی ان کو موت کے بعد معلوم ہوئی۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ ترقی بعد الموت واقع ہے (۱) آپ نے فرمایا شادی انبیاء و اولیاء کے لئے مناسب ہے کیونکہ وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے محبوب نہیں رہتے۔ اور عوام الناس کے لئے بھی یہ لائق ہے کہ وہ اس کے ذریعہ مرتبہ حیوانیت کی تکمیل کریں۔ لیکن جو متوسط لوگ ہیں اور طریقت کی آرزو رکھتے ہیں ان کے لئے بالکل غیر مناسب ہے۔ ایک سانس بھی جو ذکر الہی کے ساتھ اندر سے نکلے ہزار ہزارندوں سے بہتر ہے کیونکہ اس میں ہزاروں فائدے ہیں اور اس میں ہزاروں نقصان (۲)

آپ نے فرمایا۔ اگر بالفرض میری عمر پانچ سو سال کی ہو اور اس سب کو میں استغفار میں صرف کروں تب بھی اس گناہ کا نثارک نہیں ہو سکتا جو مجھ سے صادر ہوا اور وہ شادی کا گناہ ہے (۳) اگر ان باتوں سے (جو حضرت اقدس سے منقول ہیں) کسی کو غلش پیدا ہو کہ شادی تو ایک پسندیدہ سنت ہے اور اس کی تعریف میں آیات قرآنی ظاہر اور احادیث صحیحہ ثابت ہیں پس ان کی نفی جائز نہیں ہے۔ اس غلش کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ نفی بر سبیل اطلاق نہیں ہے (یعنی بالکل نفی نہیں ہے بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ہے) بلکہ یہ چیز بعض ان لوگوں کے لئے ہے جو ظاہر و باطن دونوں کی تجرید چاہتے ہیں (وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) مخفی نہ رہے کہ ہر زمانہ میں حکمت الہی کے مطابق جو کچھ طالبین اور مریدین کے مناسب حال اور کام کی مصلحت کے مطابق ہے وہ اولیاء اللہ اور اہل ارشاد کی زبان پر جو دانشان علوم خاصہ محمدیہ ہیں جاری ہوتا ہے جو کہ اس زمانہ میں مبتدیان طریقت کے مناسب حال شیوہ حجب و فراغت لازم تھا اور حضرت اقدس حکیم الہی اور جامع حکم نامتناہی تھے لہذا تجربہ کا اشارہ فرمایا اور تاہل سے پرہیز کا حکم دیا (۴)

دوسری بار قصبہ کاشان میں (جو بخارا کی جانب قرش میں ایک گاؤں ہے) فقیر کو صحبت خاص میں مخاطب فرما کر یہ اشعار پڑھے

تو مباحث اصلا کمال این است و بس۔ روز و گم شو وصال این است و بس  
 اے کمان و تیر را برسانتہ صید نزدیک و تو دور انداختہ  
 نحن اقرب گفت من اجل الوريد تو فکندہ تیر فکرث رابعید  
 کمال دراصل یہی ہے کہ اپنے کو فنا کر دو یعنی تمہارا وجود باقی نہ رہے جاؤ اور اس میں گم ہو جاؤ  
 کہ وصال یہی ہے۔ اے وہ جو کہ تیر و کمان تیار کئے ہوئے ہے شکار نزدیک ہے اور تم نے تیر دور  
 پھینک دیا ہے۔ (تمہارا شکار یعنی مقصد خود تمہارے پاس ہے تم کو دور جانے کی ضرورت نہیں)  
 اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زائد قریب ہیں اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تم سے  
 الگ ہے۔ اور تم دوسری جانب نظر میں اٹھا رہے ہو اور دوسری جگہ اسے تلاش کر رہے ہو پھر عیناً  
 فرماتے ہوئے بہت سی باتیں کہیں۔ مبالغہ ان کے ایک یہ تھی کہ جب تک تم اپنے حال میں ہو ہم تمہارے  
 حال کی طرف مشغول نہیں ہو سکتے۔ لیکن تم کو یہ جان لینا چاہیے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تم  
 سے نہیں جانا چاہئے تھیں اور وہ تم سے جاتی رہیں اور بہت سی ایسی چیزیں جن کو جانا چاہیے  
 وہ اس جگہ پر قائم ہو گئی ہیں لیکن تم کو ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔ پھر مثال دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ  
 خبر بوزہ جب زمین سے باہر آتا ہے اور پکنے لگتا ہے تو ہر گھڑی ایک غامی (کچا پن) اس سے  
 چلی جاتی ہے اور پختگی (پکا پن) اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اور اسے اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور  
 کوئی مس اس بات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسان اس سے یہ کہے کہ تیری بہت سی غامی  
 چلی گئی ہے اور بہت سی پختگی اس کی جگہ آگئی ہے تو وہ یقین نہیں کرے گا۔ لیکن جب مرتبہ پختگی پر  
 پہنچے گا اور اپنے میں نظر کرے گا اور اپنے کو سر سے پیر تک پکا ہوا دیکھے گا تو یہ سمجھ لے گا کہ کسان سچ  
 کہہ رہا ہے۔ اسی اثناء میں آپ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا اور آپ کی چشمہائے مبارک سے  
 موتی کی طرح اشک گر رہے تھے۔ غالباً یہ مخاطب کی گریہ و رقت کی نسبت تھی جو آپ پر منعکس ہو کر  
 ظاہر ہوئی۔

آپ فرمائے تھے کہ مرید کی نسبت جب تک قوی نہ ہو جائے اور اسے مقام تمکین حاصل نہ

ہو جائے شیخ کو اسکی خاطر مدارات غمخواری و دلجوئی اور جانب داری کرنا چاہیے۔ اور مواخذہ نہ کرنا چاہیے۔ اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو اخلاق کے خلاف ہو تو اس کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ لیکن جب اس کی نسبت قوی ہوگئی اور اس کو اس راستہ کا یقین حاصل ہو گیا تب اس کی ذمہ داری مرید پر ہے اس کو چاہیے کہ ہر سانس میں اپنے احوال کا محافظ رہے تاکہ اس سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو کسی دل کی گرائی اور کراہت کا سبب ہو اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے تو شیخ اس پر مواخذہ کرے اور سزا دے ۱۷

آپ فرماتے تھے کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ تو دراصل وہ ہے جو مرید کو کھا سکے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو مرتبہ شیخی پر نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کو کھانے کے معنی یہ ہیں کہ شیخ کو ایسا ہونا چاہیے جو مرید کے باطن میں تصرف کر سکے اور اس کے اخلاق ذمہ کو اخلاق حمیدہ میں تبدیل کر کے حضور و آگاہی کے مقام پر پہنچا سکے ۱۸

ایک بار حضرت اقدس نے ایک فقیر کو رابطہ کے طریقہ کی تعلیم دی یعنی شیخ سے کیسے رابطہ قائم کیا جائے اور یہ شعر پڑھا ۱۹

جائے کن در اندرون ہا خویش را دور کن ادراک غیر اندیش را  
پھر فرمایا کہ اس غیر اندیش ادراک کو دور کر دو تاکہ لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لو (یعنی لغو اور لا یعنی خیالات کو دور کر دو اور جو بات سوچنے کے لائق نہیں ہے اُسے مت سوچو یعنی پورے طور پر اس بات کا خاص خیال رکھو کہ لوگوں کے دلوں میں جس سے مطلب مشارحہ طریقت ہیں جگہ کر لو جیسا کہ خواجگان قدس اللہ ارواہم کا طریقہ ہے کہ ہر سانس کی پاسبانی کرنا چاہئے تاکہ کوئی ایسی بات واقع نہ ہو جو پیر کے دل کی کراہت کا سبب ہو اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس کی ساری مراد پیر کی مراد اور پیر کی مراد اس کی مراد ہو جائے اور اس پاسبانی کے سبب وہ ایسی سعادت سے مشرف ہو جائے جس سے زائد متصور نہیں اور وہ فنا فی اللہ ہے ۲۰

آپ فرماتے تھے کہ ذکرِ عیشہ (پھاوڑے) کی طرح ہے جس سے دل کے کانٹے (خطرات) دور ہوتے ہیں ۲۱

آپ فرماتے تھے کہ اصل چیز یہ ہے کہ ذکر میں اس حد تک استغراق ہو جائے کہ اسے نہ بہشت کا ذوق رہے اور نہ دوزخ کا خوف۔ اور اس کے لئے خواب و بیداری یکساں ہو شیطان کی کیا مجال کہ ان لوگوں کے قریب پھٹک سکے ۱۵

آپ فرماتے تھے کہ معراج دو قسم کی ہے۔ ایک معراج صوری۔ دوسری معراج معنوی۔ معراج معنوی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول صفات ذمیدہ سے صفات حمیدہ کی طرف منتقل ہونا۔ اور دوم ماسوا سے اللہ کی جانب منتقل ہونا ۱۶

آپ فرماتے تھے کہ سیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک سیر ستطیل دوسری سیر مستدیر۔ سیر ستطیل بعد دو بعد ہے اور سیر مستدیر قرب در قرب۔ سیر ستطیل مقصود کو اپنے خارج دائرہ سے طلب کرنا ہے اور سیر مستدیر اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو خود سے ڈھونڈنا ۱۷

آپ فرماتے تھے کہ علم دو ہیں۔ علم وراثت اور علم لدنی۔ علم وراثت یہ ہے جو عمل سے حاصل ہو۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَن عَمِلَ بِمَا عِلْمُهُ وَكَانَ اللَّهُ عِلْمُ مَا لَمْ يَعْلَمْ، (جس نے عمل کیا اس بات پر جس کو اس نے جانا تو اللہ اس کو اس چیز کا وارث کر دے گا جس کو وہ نہیں جانتا) اور علم لدنی یہ ہے جو عمل سے حاصل نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی عنایت بے غلت سے بندہ کو کسی علم خاص سے مشرف فرما دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم عطا کیا۔ اور فرمایا کہ اجر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجر ممنون دوسرا اجر غیر ممنون) اجر ممنون یہ ہے جو عمل سے حاصل نہ ہو بلکہ محض بخشش ہو۔ اور اجر غیر ممنون یہ ہے جو عمل سے حاصل ہو ۱۸

آپ فرماتے تھے۔ وہ نہایت جہاں اولیا اللہ پہنچتے ہیں یہ ہے کہ شاہدہ ان سے غائب نہ ہو۔ (یعنی وہ ہمیشہ تجلیات الہی کا شاہدہ کرتے رہیں) یا یہ کہ شاہدہ حقیقی میں استغراق کی وجہ سے مشاہدہ ان سے غائب ہو جائے ۱۹

آپ فرماتے تھے کہ شہود کے دو معنی ہیں۔ ایک ذات مقدس کا شہود جو لباس مظاہر میں غیر

سے معرا (غالی) ہے اور دوسرا شہود یہ ہے کہ اس ذات مقدس کا پردہ مظاہر سے مشاہدہ کرے بغیر وصف کلی اور یگانگی کے۔ اور اس شہود کو حضرات صوفیاء قدس اللہ ارحمہم شہود احدیت در کثرت کہتے ہیں اور حضور بعثت کے بعد اسی شہود میں تھے ۱۵

ایک روز اعزہ میں سے ایک شخص نے حضرت کی مجلس میں عرض کیا کہ اکابر صوفیہ نے تو یہ کہا ہے کہ کوئی وجود و جوہر اور ہستی مطلق کے سوا نہیں ہے اور پردہ مظاہر سے ایک ہی ظاہر ہے۔ اس تحقیق کی بنا پر کفر و اسلام کے کیا معنی ہیں؟

یعنی جب صرف ایک وجود واحد ہی ہے تو پھر کفر و اسلام کے مابین تنازعہ و اختلاف کیوں ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں شہودی شریف کے یہ دو شعر پڑھے ۱۶

چوں کہ بے رنگی اسیر رنگ شد موسیٰ باموسیٰ در جنگ شد

یوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی موسیٰ و فرعون دارند آشتی

(جب بیرنگی رنگ کی اسیر ہوئی تو موسیٰ نے موسیٰ سے جنگ کی یعنی جب ذات الہی رنگ کی اسیر ہوئی تو حضرت موسیٰ اور ذات الہی دونوں میں کلام ہوا۔ اور وہ دوستی ثابت ہوئی۔ جب تم بیرنگی کے مقام پر پہنچ جاؤ گے تو تمہارا وجود فنا ہو جائے گا اور صرف ذات واحد باقی رہ جائے گی اور تم کو موسیٰ و فرعون ایک نظر آئیں گے)

ایک روز آپ نے ترک ہستی اور خود پرستی کے سلسلے میں یہ مصرعہ پڑھا۔ ایک قدم برفرق خود نہ واں دگر در کوئے دوست (ایک قدم اپنے سر پر رکھو اور دوسرا دوست کے کوچہ میں۔)

اس بارہ میں کہ بعد صوری اہل رابطہ کے لئے قرب معنوی کے مانع نہیں ہے یہ شعر پڑھا۔ گماں مبر کہ بر فیم و مہرت از دل رفت بہ خاک پائے عزیزت کہ پچھاں باقی است

(یہ خیال مت کرو کہ ہم چلے گئے اور تمہاری محبت بھی دل سے جاتی رہی۔ تمہارے خاک پاکی قسم وہ محبت اب بھی اسی طرح باقی ہے) اس بارہ میں کہ اہل ظاہر حقیقت عشق سے بے خبر ہیں یہ شعر پڑھا

عشق ابو حنیفہ درس نہ گفت شافعی را در روایت نیست

(ابو حنیفہ نے عشق کا سبق ہی نہ پڑھا۔ شافعی کی عشق کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں ہے)

طالبین کے ضعف ارادت کے سلسلہ میں یہ شعر پڑھاں

نگوار بابِ دل رفتند و شہرِ عشق شد خالی جہاں پر شمس تبریز است کو مردے چو مولنا  
(یہ مت کہو کہ دل والے چلے گئے اور شہرِ عشق خالی ہو گیا۔ دنیا اب بھی شمس تبریز سے بھری ہوئی ہے مولنا روم کا ایسا مرد کہاں ہے)

آپ فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید سارا کمال انا الحق کہنے میں ہے۔ کمال تو دراصل یہ ہے کہ انا کو سامنے سے اٹھا دے اور کبھی اسی یاد نہ کرے

فقہ۔ اگر تم سے پوچھا جائے کہ توحید کیا ہے تو کہو کہ دل کا خالص کر دینا اور اس کا غیر حق کی ہی سے خالی ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے وحدت کیا ہے تو کہو کہ دل کا غیر حق کے وجود کے علم سے خالی ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے کہ اتحاد کیا ہے تو کہو کہ ہستی حق میں مستغرق ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے کہ سعادت کیا ہے تو کہو کہ دید حق کی وجہ سے اپنے سے چھٹکارا پانا۔ اگر پوچھا جائے شقاوت کیا ہے تو کہو کہ اپنے میں پڑ جانا اور حق سے باز رہنا یعنی خودی میں پڑ جانا اور خدا سے دور ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے وصل کیا ہے تو کہو کہ اپنے کو وجود حق کے نور کے شہود میں فراوان کر دینا۔ اگر پوچھا جائے فصل کیا ہے تو کہو کہ سہر کا غیر حق سے جدا کر دینا۔ اگر پوچھا جائے کہ سکھ کیا ہے تو کہو کہ ایسے حال کا دل پر وارد ہونا کہ دل اس چیز کو پوشیدہ نہ رکھ سکے جس کا چھپانا اس حال کے ظہور سے پہلے واجب ہے

فقہ۔ الحمد للہ رب العالمین سبحان اللہ رب العرش العظیم اللہم صل علی محمد البنی الامی و علی آلہ وسلم اے خدا اس قدر عزت کی قسم جو حضور پر نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرے نزدیک ہے اس عاجز فقیر کو بھی اپنے پاس سے اس یقین سے مشرف فرما تا کہ وہ اس قوت یقینی سے تیرے غیر کے وجود کے شہود و معرفت و محبت سے آزاد ہو کر صرف تیرے وجود و شہود اور تیری معرفت و محبت میں گرفتار ہو جائے

۱۰ رشتہات ۱۳۸۸ء ایضاً ۱۳۸۹ء فقرات خواجہ عبید اللہ حرار (۶) لکھے ایضاً (۹۵)



دولت معنوی نہیں ہے کہ عرش نشین ہو جائے۔ دولت معنوی یہ ہے کہ اپنے دل کو مشاغل کو نہ سے خالی کر دے۔ قلب المؤمن عرش اللہ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) پھر اس کو ان چیزوں سے فارغ آزاد۔ اور پاک کر دے جو اس کے لائق نہیں ہے خواہ اس کو عرش پر لے جائیں خواہ فرش پر۔ وہ تو اس مقام پر ہے جہاں نہ عرش ہے نہ فرش۔ اصل چیز تصفیہ دل ہے شوائغ و موانع سے تاکہ وہ (دل) موہبت الہی (بخشنش) کے قابل ہو جائے ۱۵

قلندری اپنی حقیقت کی تجرید ہے موانع سے اور ان صحابات کو دور کر دینا جو حق اور اس کے درمیان ہوں۔ اور اپنے کو اس طرح کم کر دینا کہ کتنا ہی اپنے کو تلاش کرے لیکن نہ پائے جیسا کہ حضرت شیخ ذوالنون کے ایک مرید نے ابو نرید سے پوچھا کہ ابو نرید کہاں ہیں۔ حضرت سلطان العارفين نے کہا کہ میں خود ان کو تیس سال سے ڈھونڈ رہا ہوں لیکن نہیں پا رہا ہوں اگر تم انہیں تلاش کر سکو تو تلاش کر لو ۱۶

سلطنت و بادشاہی کا کمال یہ ہے کہ اپنے تصرف سے تمام رعایا اور خواص کو اپنے ٹنگ میں ایسا رنگ لے کہ اس کی نظر جس پر بھی پڑے اپنے ہو کسی کو نہ دیکھے اور رعایا کا کمال یہ ہے کہ خود سے خود میں پورے طور پر خالی ہو جائے۔ اور اپنے بادشاہ کے ہوا نہ کسی کو دیکھے اور نہ جانے۔ بلکہ نہ دیکھنے اور نہ جاننے سے بھی خالی ہو جائے اِذَا تَمَّ فَقَرُّهُمْ فَلَا هُمْ إِلَّا أَفَارُ ۱۷

اپنے باطن میں خواجگان کی نسبت باطنی کی نگہداشت اور شریعت و آداب شریعت پر نگاہ رکھنا۔ اور قولاً فعلاً۔ اختیاراً اور حالاً اعتقاد صحیح رکھنا اور برہمات سے پرہیز کرنا تمام عالم کی نعمتوں سے بہتر ہے ۱۸

۱۵ فقرات خواجہ عبید اللہ احرار (۹۷) ۱۶ ایضاً (۹۸) ۱۷ فقرات خواجہ ادریس (۱۰۰) ایضاً ۱۱

قد استراح القلم من تسويد هذه الرسالة الشريفة والجمالة النفيسة بيد الاحقر  
 الافقر والاخوج المفقير اعني تقي الزمر غفر له العلي الاكبر بشفاعته سيد البشر الى رحمة  
 الله تعالى يوم الفرع الاكبر من توجه الخاصة الشريفة والدي واستادى شيخى  
 وسدى المولى الحافظ الشاه محمد مجتبى حيدر القلندر العلوى الكاظمى الكاوردى  
 ادام الله ظله العالى فتحوه يوم الاحد احدى وعشرين من شهر محرم الحرام سنة الف  
 واربعمائة وست من هجرة سيد الثقلين نبى الحرمين امام القبلتين صلى الله عليه وعلى  
 آله واصحابه اجمعين والفاضل والياض واتقيا واتباعه الف الف صلوة وتحياته الى  
 يوم الدين. قد تحيرت فيك عند يدى ياد ليل لمن تحير فيك .

## مؤلف کی تیسری معرکتہ الآرا کاوش

حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا شہرہ آفاق ، نادر و نایاب اور مکمل محفوظ  
 ( جس کا ایک قدیم مگر ناقص و نامکمل نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے )

” القول الجلی فی ذکر آثار الولی “ للشیخ محمد عاشق پھلتی ( مکمل )

کاسیس اردو ترجمہ معہ تشریحات و اصطلاحات . زیر طبع ہے





فارسی حضرت شاہ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ  
ترجمہ اردو حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہ

۱۳۔ فاتح الابعاد

عربی حضرت شاہ علی انور قلندر قدس سرہ  
اردو حضرت شاہ علی حیدر قلندر

۱۴۔ الدرا لیتیم فی بیان ایمان آباد النبی الکریم

۱۵۔ سانت رس المعروف بلفحات الاسرار۔ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر قدس سرہ

شرح و اردو ترجمہ۔ حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ

حضرت شاہ تملب علی قلندر تملاب کا کوردی قدس سرہ

۱۶۔ امت رس۔

مقدمہ شرح حضرت مولانا شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ

۱۷۔ مطالب رشیدی۔ حضرت شاہ تملاب علی قلندر قدس سرہ

اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ

۱۸۔ ہمارے نبی

اردو

۱۹۔ الکبیت الاحمر فی تحقیق القلندر۔ اردو۔ شاہ محمد دہراج الدین قلندر (ڈپٹی کلکٹر)

۲۰۔ مناقب المرتضیٰ بن ہمام المصطفیٰ۔ اردو حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہ

۲۱۔ نقائس المن فی فضائل سیدنا ابی الحسن۔ اردو

۲۲۔ تبکین الفواد بذكر خیر العباد اردو حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ

۲۳۔ رفع الحجاب عن فضل الخطاب۔ اردو مولوی ایوب احمد صاحب نیرہ استاد العلماء، مولانا مفتی غلام احمد

۲۴۔ تذکرہ گلشن کرم اردو مولوی حافظ تقی انور علوی کا کوردی

۲۵۔ مقالات انور مسعود انور علوی کا کوردی

۲۶۔ رشحات قیصری اردو

۲۷۔ ابونواس اود اردو

۲۸۔ انتخاب کلام خسرو کا کوردی اردو

۲۹۔ جلوہ پیش۔ اردو۔ مظہر عزیز صاحب (ڈپٹی کلکٹر)

۳۰۔ بہارستان ترات۔ اردو۔ ادیب سحر از منشی امیر احمد علوی کا کوردی (ڈپٹی کلکٹر)

۳۱۔ عباسیان کا کوردی۔ مولوی محمد حسن صاحب عباسی کا کوردی مرحوم

۳۲۔ تنبیہ المفتربین۔ مولوی محمد عامر صاحب قینس کا کوردی مرحوم



## مؤلف کی تیسری معرکتہ الآراء کاوش!

حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا شہرہ آفاق، نادر و نایاب اور مکمل ملفوظ (جس کا ایک قدیم مگر ناقص و نامکمل نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے)۔

”الْقَوْلُ الْجَلِيُّ فِي ذِكْرِ آثَارِ الْوَلِيِّ“ للشيخ محمد عاشق  
پھلتی (مکمل) کاسیس اردو ترجمہ معہ تشریحات و اصطلاحات زیر طبع ہے۔